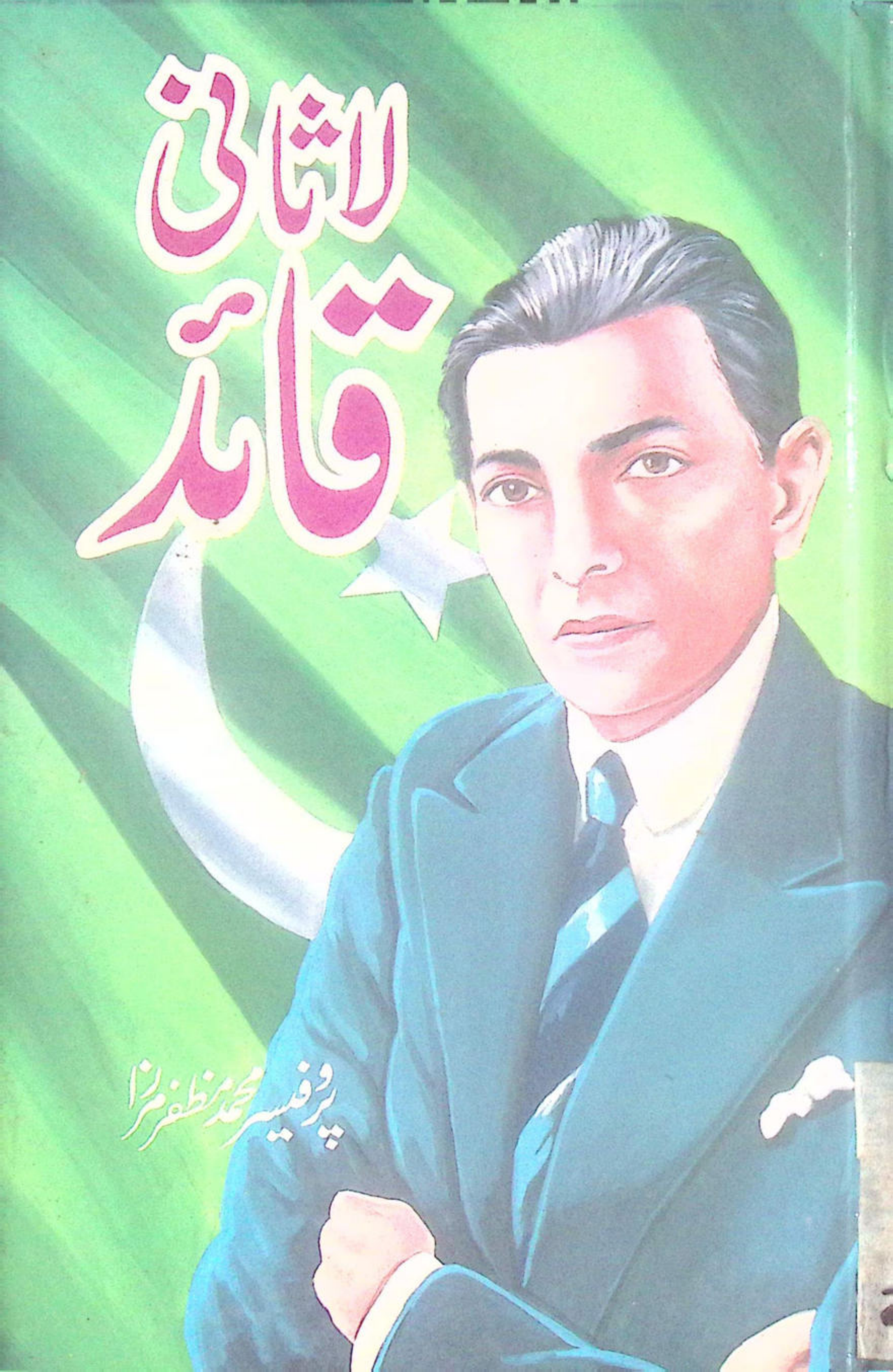


# لاثانی قائد

پروفیسر محمد مظفر مرزا

# لاثانی قائد

پروفیسر محمد مظفر مرزا

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور - راولپنڈی - کراچی

بار اوّل ---------- ۱۹۹۵ء

مطبع ---- فیروز سنز لاہور

مجلّد -- 969 0 01254 1

# فہرست مضامین

# انتساب

اپنے کرم فرما استاد محترم
جناب مختار محمود قریشی صاحب (مرحوم)
کے نام
جن کی بے پایاں علمی شخصیت نے
میری ہر لحہ رہنمائی فرمائی

# عرض مصنف

یہ حضرت قائداعظمؒ ہی کی محنت شاقہ' بے پایاں استقلال' بے اندازہ استقامت' پاکیزہ جذبہ اخلاص اور اتھاہ ایثار کا اعجاز اور ثمر تھا کہ اسلامیان ہند ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے' انہوں نے کفن اپنے سروں پر باندھ لیے تھے اور پاکستان کا مطالبہ کرنے لگے تھے' یہ وحدت ملیہ' یہ نظم و ایمان' یہ قوت ایمانی' انہیں فقط حضرت قائداعظم کی بے مثل و بے عدیل قیادت کے باعث نصیب ہوئی۔ ورنہ اسلامیان ہند آزادی و خود مختاری کے لیے ترستے رہتے اور پھر نجانے کب تک غلامی کی غلیظ زنجیروں میں جکڑے رہتے' ہندو سامراجیت اور انگریزی تسلط کب تک برداشت کرتے رہتے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اور پھر قائداعظمؒ کے رحلت فرما جانے کے بعد پاکستانی ملت میں کوئی قائد نہ رہا' پاکستانی ملت اوج ثریا کو چھونے کی بجائے بھٹکنے لگی' اب حالت یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں' شہر میں' صوبے میں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو لوگ سوچتے ہیں کہ کہاں جائیں۔ کس لیڈر سے مدد لیں۔ کس قائد سے حوصلہ لیں' کوئی نہیں جو بااعتبار و با اعتماد ہو۔ سرفراز و کامران قیادت کا فقدان اور بحران ہے۔ وہ لوگ جو بیان الصوبائی حیثیت کے لیڈر تھے' نہ رہے' ناتجربہ کار لوگ آگے آئے دولت و ثروت کی ریل پیل نے قائدین کی ایک فوج ظفر موج کو جنم دیا' جنہوں نے عوام کا حوصلہ بلند کرنے کی بجائے ان کی دل شکنی کی' چنانچہ بہتان تراشی' بدگمانی' ذات پرستی دولت کی چھینا جھپٹی اور الزام تراشی کے قطب مینار تعمیر ہونے لگے' کسی کو اس کا فکر نہیں کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا' پاکستان غیروں کی نظروں

میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ پاکستان کی تعمیر و استحکام کا جذبہ اور فلسفہ مفقود ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ قومی اور ملی حالات و واقعات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ اہل سیاست' اہل سیاست سے بدظن ہیں' اہل دین اہل دین سے برگشتہ' جب قوم کا کوئی باامکانی قائد ہی نہ رہے۔ تو قوم ذہنی اور نفسیاتی طور پر بکھرے گی نہیں تو اور کیا کرے گی۔ یہاں نمائشی اور فرمائشی قیادت نے جنم لیا۔ اور ملک کو نفرت اور صوبائیت کی آگ کے جہنم میں دھکیل دیا۔

میرا یہ کتاب لکھنے کا مقصد وحید دراصل یہی ہے کہ پاکستان کی نئی نسل کو یہ باور کرایا جاسکے' کہ تحریک پاکستان کیا تھی' اور اس میں حضرت قائداعظمؒ نے کیسے کیسے اہم کردار ادا کر کے پاکستان تخلیق کی۔ یہ کتاب ۱۳ موضوعات پر مبنی ہے جو حضرت قائداعظمؒ کی زندگی ان کے سیاسی اور قومی کارناموں اور خدمات پر محیط ہیں۔ کوئی انسانی تخلیق اپنے طور پر کامل نہیں ہوتی' اسی طرح میری یہ ناچیز کاوش بھی شاید بہت سی خامیوں اور نقائص کی نشاندہی کرے گی۔ لیکن قارئین یہ فیصلہ کریں گے کہ میں اپنی سی کاوش میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں۔

مجھے آخر میں جناب پروفیسر محمد منور مرزا' ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی' لاہور کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنہوں نے نے مجھے تحریک پاکستان اور حضرت قائداعظمؒ پر لکھنا سکھایا' میں شکر گزار ہوں جناب ڈاکٹر صفدر محمود کا جنہوں نے اپنے قیمتی وقت صرف کیا اور اس کتاب کے لیے پیش لفظ تحریر فرمایا - میں جناب ظہیر سلام صاحب کا بے حد و حساب ممنون احسان ہوں' جنہوں نے فیروز سنز لمیٹڈ پبلشرز' لاہور سے اس کتاب کو چھاپنے کا بیڑا اٹھایا' خدا تعالیٰ انہیں سلامت تا قیامت رکھے' مجھے اپنے قارئین کی قیمتی آراء اور مشوروں کا انتظار رہے گا۔

پروفیسر محمد مظفر مرزا
گورنمنٹ کالج لاہور

# پیش لفظ

تحریک پاکستان اور حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں لیکن اس کے باوجود تحریک پاکستان اور حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں بے شمار گوشے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں جن پر ابھی کام ہونا باقی ہے۔ پروفیسر مرزا منظفر کی یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے اور قائداعظمؒ کی خدمت میں مصنف کے ہدیہ عقیدت کی حیثیت رکھتی ہے۔

بلا شبہ پاکستان خدا تعالیٰ کی طرف سے پاکستان کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم نعمت ہے اور اسے اسلامیان برصغیر نے ایک صدی سے زائد کی مسلسل جدوجہد اور عظیم قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں اگر مسلمانان ہند اور مسلم لیگ کو قائداعظمؒ جیسی مضبوط' بااصول اور بصیرت افروز قیادت میسر نہ ہوتی تو شاید ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا کیونکہ انگریزوں اور کانگریس کی چالوں کا بیک وقت جواب دینا اور توڑ کرنا کسی اور مسلمان راہنما کے بس کا روگ نہیں تھا اور نہ ہی مسلم لیگ کی صفوں میں نہرو اور گاندھی کے ہم پلہ کوئی سیاستدان تھا۔ اس لحاظ سے ہماری آزادی اور پاکستان کا قیام جہاں مسلمانان ہندو پاکستان کی عظیم اور تاریخی قربانیوں کا نتیجہ ہے وہاں قائداعظمؒ کی قیادت کا بھی مرہون منت ہے۔ ہم ایک زندہ قوم ہیں اور زندہ قومیں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں۔

پروفیسر محمد مظفر مرزا نے حضرت قائداعظمؒ کے موضوع پر یہ کتاب تحریر کر کے وہی حق ادا کیا ہے جس کی طرف میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں۔ پروفیسر صاحب کی یہ علمی کلوش یقیناً قابل تحسین ہے۔ یہ کتاب بے شمار حوالوں سے مزین کی گئی ہے جس سے اس کی ایک مستند حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب پروفیسر صاحب کی حضرت قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان سے قلبی وابستگی اور نظریہ پاکستان پر ایمان و ایقان کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت قائداعظمؒ پر پروفیسر صاحب کی یہ کتاب مختلف مضامین پر مشتمل ہے جو انتہائی اہم موضوعات پر مبنی ہیں۔ یہ صرف حضرت قائداعظمؒ کی زندگی اور ان کی خدمات جلیلہ کا واضح اظہار ہی نہیں کرتی بلکہ تحریک پاکستان کے دلگداز اور دلروز واقعات کی تفصیلی داستان بھی ہے جس کا مطالعہ طلباء اور عام قارئین کے لیے نہایت سود مند ہوگا۔

(ڈاکٹر صفدر محمود)

لاہور

۱۷ دسمبر ۱۹۹۱

# حضرت قائداعظمؒ، تحریک پاکستان، ہندوؤں کا تعصب اور چیرہ دستیاں

قرآن حکیم کا ارشاد ہے :-

قد بدت البغفاء من افواھھم ج وما تخفی صدورھم اکبر ط

(ترجمہ) تمہارے خلاف جو کچھ وہ سوچتے رہتے ہیں اس میں یونہی کوئی بات ان کے منہ سے نکل جاتی ہے تو تمہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے عزائم کیا ہیں لیکن جو کچھ ان کے سینے میں مخفی ہوتا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

آئے دن بھارت کی طرف سے الزام لگایا جاتا ہے کہ پاکستان، بھارت کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کر رہا ہے، کبھی یہ الزام کہ پاکستان، سکھوں کی اعانت کر رہا ہے، کبھی یہ کہ کشمیریوں کو اسلحہ اور گولہ بارود مہیا کر کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کو ایسے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کی سختی کے ساتھ تردید کرنی پڑتی ہے۔ بھارتی افواج کا پاکستانی سرحدوں پر اجتماع تو آئے دن بہانے بہانے ہوا رہتا ہے درحقیقت ہندو برصغیر کی تقسیم کو گئو ماتا کی تقسیم تصور کرتا ہے اور ہندوؤں کے دھرم میں گئو ماتا کا زبح کرنا ایک پاپ (گناہ) تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء کی اخبار "ملاپ" سکھر کے جلسے میں مہاشہ ہرتاب سنگھ کی تقریر کا حوالہ دے کر لکھتا ہے "گائے ماتا کے گلے پر چھری

پھیرنے والوں کے لیے تمہارے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں ہونا چاہیے۔ بھیشم کے سپوتو! ارجن کے دلاورو! اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے۔"

تحریک سنگھٹن کے سرگرم اور انتہا پسند رہنما لالہ ھردیال نے اس تحریک کے ذریعے نہ صرف ہندوستان میں مقیم غیر اقوام کو ہندو بنانے تک ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے افغانستان کو بھی ہندو ازم کے دائرے میں شامل کرنا بہت ضروری تصور کیا تھا۔ لالہ ھردیال نے اپنے ایک مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"افغانستان کوئی جدا ملک نہیں' یہ ہندوستان' پنجاب کا ایک حصہ ہے افغانستان میں ہماری مورتیاں' بت اور مندروں کے کھنڈرات آج تک پائے جاتے ہیں جب تک افغان اور سرحدی قبائل کے مسلمان بھی ہندو قوم میں شامل نہیں کیے جائیں گے اس وقت تک ہمارے ملک کی حفاظت کا پورا انتظام نہیں ہو سکتا۔ تاریخ ہند سے ظاہر ہے کہ ان پہاڑی علاقوں سے ہم کو بہت دکھ پہنچ سکتا ہے مگر اس دکھ کا اندیشہ صرف اس وقت تک ہے جب تک یہ بہادر لوگ اسلام کے پیرو کار اور مسلمان ہیں۔ مگر جب ہم ان کو ہندو بنالیں گے تو یہ خطرہ جاتا رہے گا۔ لہٰذا افغانستان اور سرحدی مسلمانوں کو ہندو بنانا ہمارے لیے از بس ضروری ہے۔ تمام ہندو قوم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ہندو کے سامنے یہ تین اصول ہر وقت رہنے چاہئیں ایک تو ہندو سوراج' دوسرے ہندوستان کے سب مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانا' تیسرے افغانستان اور سرحد کو فتح کرنا اور وہاں کے باشندوں کو ہندو بنانا۔"

لالہ ھردیال کے اس پروگرام اور منشور کو ہندوستان میں اس کے موجودہ پیرو کاروں نے فراموش نہیں کیا پنڈت جواہر لال نہرو ہو یا لال بہادر شاستری' مسز اندرا گاندھی ہو یا مسٹر راجیو گاندھی' راج گوپال اچاریہ ہو یا وی پی سنگھ سبھی کا پروگرام

اور منشور وہی ہے جو ان کے قائدین نے انہیں دیا۔ اس سال یعنی ۱۹۸۸ء کے جینوا مذاکرات کے سلسلے میں افغانستان سے روس کی واپسی کا ٹائم ٹیبل مسٹر راجیو گاندھی کو کیسے پسند آسکتا ہیں مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کی قربانیاں اور آزادی کی تڑپ مسٹر وی پی سنگھ کو کیسے پسند آسکتی ہیں۔

جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو ہندوؤں کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے مسلمانان ہند کو ہندو کے پنجہ استبداد سے چھٹکارا مل گیا تھا تو ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی نے یہ بیان دیا۔

"ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے پاکستان کو پھر سے ہندوستان کا حصہ بنا لیا جائے اس حقیقت کے متعلق میرے دل میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا خواہ یہ معاشی دباؤ سے یا سیاسی دباؤ یا اس کے لیے دیگر ذرائع استعمال کرنے پڑیں۔"[۴]

مرزا غالب کا شعر ہے:

فغان من دل خلق آب کرد' ورنہ ہنوز
نہ گفتہ ام کہ مرا کاربا فلال افتاد

ترجمہ۔ فقط میری حالت دیکھ کر خلقت کے دل سینوں میں پگھل گئے جب انہیں معلوم ہو گا کہ میرا پالا کس سے پڑا ہے تو نہ معلوم ان پر کیا گذرے گی۔

ہماری نئی نسل کو چونکہ ہندو سے پالا ہی نہیں پڑا لہٰذا وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ہندو کیا ہے؟ یہ وہ برخود غلط قوم جو انتہائی مکار اور عیار ہے جس کا ظاہر اور باطن کا تعین کرنا مشکل ہے۔ ہیرا پھیری فریب کاری اور دھوکہ رہی میں جواب نہیں رکھتے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی بزرگ جنہوں نے انگریزی دور دیکھا ہے' ہندو کی چیرہ دستیوں اور مظالم کو بچشم خود دیکھا' متحدہ ہندوستان کی تقسیم کو

غلط تصور کرتے ہیں وہ اپنی نئی نسل کی ہندو ذہنیت کے باب میں کیا تربیت کرتے ہوں گے۔

حضرت قائداعظمؒ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن (جالندھر) کے اجلاس میں جو ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا تھا آپ نے فرمایا "مشکل یہ ہے کہ گاندھی جی کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا درحقیقت مقصد ہوتا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لائے۔"

اگست ۱۹۴۵ء کے ایک جلسے کو خطاب فرماتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا تھا "ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے جب ان کے (یعنی مہاتما گاندھی کے)" یہاں مفید مطلب نہیں ہوتا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندہ نہیں وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں وہ کانگریس کے چار آنہ کے ممبر بھی نہیں ہیں اور جب ضرورت ہوتی تو سارے ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں جب اور حربوں سے کام نہیں چلتا تو مرن برت رکھ لیتے ہیں جب کوئی دلیل نہ بن پڑے تو "اندرونی آواز" کو بدل لیتے ہیں کیسے ایسے شخص سے ہم کسی طرح بات کریں وہ تو ایک چیستان ہیں معمہ ہیں۔

تحریک پاکستان جیسے جیسے اپنے مراحل طے کر رہی تھی، مسٹر مہاتما گاندھی اتنے ہیں غمزدہ اور پریشان رہتے تھے جب پاکستان کا ریزولیشن پاس ہوا تو مسٹر گاندھی کے تن بدن میں آگ لگ گئی چنانچہ انہوں نے ۱۷ اپریل ۱۹۴۰ء کو اپنے بیان میں کہا!

"میں پوری جرات و جسارت کے ساتھ اس امر کا علان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے، بلکہ وہ اس پیغام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے مجھے کہنے میں ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت ٹھیس لگ رہی ہے میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں

کوتاہی کروں گا' اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ گوئی سے متنبہ نہ کر دوں جس کا اس نازک وقت میں ان میں پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔"۳

مگر حضرت قائداعظمؒ جن کی ساری زندگی توازن و تناسب کا مرکز تھی جن کے رعب اور دبدبے میں محبوبیت کا عنصر جھلکتا تھا جن کی نگاہ انقلاب آفرین تھی' جن کی روح صفات مرد مومن سے مزین تھی جنہیں رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قلبی نسبت تھی اور یہی سبب تھا کہ امت مسلمہ کی اتنی بڑی زمہ داری ان کو سونپ دی گئی وہ فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان خدا کی مرضی ہے اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا تھا۔

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے!

حضرت قائداعظمؒ کا دل روشن اور نگاہ بلند تھی لہذا خالق کون و مکان نے ان کی نگاہ میں بھی برکت عطا فرمائی تھی اور زبان بھی اثر انگیز تھی' ہمارے سیاسی اکابریں' حضرت قائداعظمؒ کی مثال کو سامنے رکھ کر امت مسلمہ کی تعمیرو ترقی اور عروج و کامل کی ضمانت نہیں دے سکتے۔

یہی وہ اوصاف تھے جن کے سبب حضرت قائداعظمؒ دشمنان ملت اسلامیہ کے مقابلے میں فتح یاب اور کامیاب و کامران ہوئے وگرنہ مسلمانان ہند کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔

پنڈت نند کمار شرما نے اپنی کتاب "ویر کیشیری شیوا جی" میں تحریر کیا ہے (انہوں نے شیوا جی کا حوالہ دیا ہے جو مسلمانون کے شدید دشمن تھے جنھوں نے (یعنی شیوا جی) راجہ جے سنگھ کے نام ایک خط میں' مسلمانان ہند کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا تھا)۔

"میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے' افسوس صد افسوس کہ یہ تلوار مجھے ایک اور ہی مہم کے لیے نکالنی پڑی اسے مسلمانوں کے سر پر بجلی بن کر گرنا چاہیئے تھا جن کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ ہی انہیں انصاف کرنا آتا ہے' میری بادلوں جیسی گرجنے والی فوجیں مسلمانوں پر تلواروں کا وہ مینہ برسائیں گی کہ دکن کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سارے مسلمان اس سیلاب خون میں بہہ جائیں گے اور ایک مسلمان کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا"۔ شیوا جی کے پیروں کاروں نے مسٹر مہاتما گاندھی کے "امن آشتی" کے علمبرداروں نے دو مرتبہ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لیے بھرپور وار کیے۔

پہلا وار ستمبر ۱۹۶۵ء میں اور دوسرا بھرپور دسمبر ۱۹۷۱ء میں کیا گیا اس کے باوجود ہندو ذہنیت' تعصب' ظلم و ستم' چیرہ دستیوں اور ریشہ دوانیوں کی سمجھ نہ آئے تو یہ خود فریبی ہے اور اس کا علاج ناممکن ہے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہندو افواج نے جو ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے ہیں ان واقعات کو پڑھنے کے بعد ہندوؤں کے ظلم و ستم مجرمانہ ذہنوں اور تعصب کا خوفناک احساس ہوتا ہے۔ جس کی ایک مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

زرعی یونیورسٹی کے تھرڈ ائیر کے ایک طالب علم اعجاز احمد نے نمائندہ امروز کو نوجوان لڑکیوں کے ساتھ بھارتیوں کی زیادتی کی داستان سناتے ہوئے کہا کہ ہمیں ۱۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی صبح ۹ بجے موضع بھا بھڑہ سے ہندوستانی فوج پکڑ کر نزدیک ہی نینے کوٹ تھانے لے گئی وہاں سے ہمیں گورداسپور جیل میں منتقل کر دیا گیا ہمارے ساتھ موضع پھگواڑی بھائی پور شالے اور دولے چک کی تقریباً سولہ نوجوان لڑکیاں بھی تھیں ان لڑکیوں کو گورداسپور جیل میں ہمارے ساتھ والے چھوٹے سے بلاک میں رکھا گیا۔ آدھی رات کے وقت اچانک زور سے رونے اور دل ہلا دینے والی چیخیں سنائی دیں بعض لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ خدا کے واسطے ہمیں چھوڑ دو' ہمیں کچھ نہ کہو۔ ہم سمجھ

گئے کہ ان لڑکیوں سے زیادتی کی جا رہی ہے ان کی آبرو پر حملہ ہو رہا ہے لیکن ہم بے بس تھے۔ رات بے چینی میں گذری صبح اٹھتے ہی جب ہم نے اس چیخ پکار کے بارے میں جیل ملازمین سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا، بعض لڑکیاں پاگل ہیں اور بلا وجہ چیخیں مار رہی تھیں۔"۴

آج تک ہندو کے تعصب اور مسلمان دشمنی میں کسی طور پر فرق نہیں آیا اور ہندو اس تاک میں ہے کہ پاکستان کو جب موقع میسر آئے ختم کر دیا جائے۔ ڈاکٹر رام منوھر لوھیا نے اپنی کتاب "اگلا قدم" میں لکھا ہے!

"ہم زیادہ عرصہ تک انتظار نہیں کر سکتے شاید دو تین سال کے عرصہ ہی میں امرتسر اور پاکستان کی درمیانی حد فاصل مٹ جائے گی۔ ہمیں پاکستان کے اس زہر کو ختم کر کے تقسیم ہند کو معدوم کر دینا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مصنوعی تقسیم ختم ہو جائے گی اور پاکستان اور ہندوستان پھر سے ایک ملک ہو جائیں گے۔"۵

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعہ المبارک، جب پاکستان بفضل تعالیٰ دنیا کے نقشے پر ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت سے ابھرا تو مسلمان جب آزادی کے حصول کے بعد پہلی عید منا رہے تھے تو مشرقی پنجاب اور ایسی ریاستوں نابھ، پٹیالہ، کپور تھلہ اور فرید کوٹ سے مسلمانوں کے منظم اور وسیع پیمانے پر قتل عام کی خبریں آنی شروع ہو گئیں۔ اس قتل و غارت گری میں ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عورتوں کو اغوا کر لیا گیا بچوں کو سنگینوں پر اچھالا گیا عصمت ریزی کے واقعات عام ہونے لگے۔ بعض شہروں میں مردوں کو ختم کر کے نوجوان مسلمان عورتوں کے برہنہ جلوس نکالے گئے۔ چند ہی ہفتوں کے اندر تقریباً ۵ لاکھ مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد قتل و غارت گری کی اس آگ کا رخ دھلی کی طرف پھرا اور ہندوستان کے دارالسلطنت میں پورا ستمبر کا مہینہ اس قسم کے قتل عام میں گذرا جس کی مثال تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی۔ ایک اندازہ کے مطابق اس خونی تماشہ میں بھارت میں قریباً

دس لاکھ مسلمان قتل و غارت گری کی نذر ہو گئے اور قریباً ایک کڑور مسلمان انتہائی کسمپرسی کے عالم میں کسی نہ کسی طرح جان بچا کر پاکستان پہنچ پائے۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں ضلع انبالہ کے کرالیا کیمپ سے پانچ ہزار مسلمان مہاجرین کا قافلہ لائل پور (فیصل آباد) کے قریب پہنچا ان میں سے دو ہزار مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے، پیچش کا مرض عام تھا۔ انہیں جو آٹا کھانے کو دیا جاتا تھا اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا تو اس میں نیلا تھوتھا کا زہر ملا ہوا تھا ایک گاڑی ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کو دھلی سے لاہور پہنچی تو اس میں سفر کرنے والی عورتوں اور لڑکیوں نے بتایا کہ حکومت ہند نے جو سپاہی ان کی حفاظت کے لیے گاڑی میں متعین کیئے تھے انہوں نے راستے میں ان کی عصمت دری کی۔ ایک ٹرین میں قریباً ڈیڑھ ہزار مہاجرین دھلی میں آ رہے تھے امرتسر کے قریب ان سب کو ختم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ ہندوستان میں ہندوستانی حکومت کی طرف سے وہاں سے آنے والے مسلمانوں کے خلاف ہو رہا تھا۔۶

آج جو مسلمان بھارت میں موجود ہیں، ان پر جو بیت رہی ہے ناقابل بیان ہے حیدر آباد، احمد آباد، جمشید پور، جبل پور، کانپور، علی گڑھ، دھلی اور بھوپال میں آئے دن مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ ہمیں اپنے اس سنگ دل اور تنگ نظر دشمن سے ہر وقت آگاہ رہنا چاہیے اپنی صفوں میں اتحاد اور یکجہتی کو پرواں چڑھانا ہو گا مذہبی اور طبقاتی درجہ بندیوں کو خیرباد کہنا ہو گا۔ کیونکہ غیر مسلموں کی نظر میں ہم سب ازروئے عقیدہ مسلمان اور صرف مسلمان ہیں، خواہ وہ کسی مسجد میں نماز پڑھتے ہوں یا امام باڑہ میں، دشمن کی گولی یا بم عقیدے کی تلاش نہیں کرے گا ہندوؤں، یہودیوں، اور روسیوں کی سازشوں کو ناکام بنانا ہو گا ہم نے پاکستان کو بڑی بھاری قیمت دے کر حاصل کیا تھا اور انشاء اللہ اس کے تحفظ و سالمیت کے لیے بھی جائیں نچھاور کریں گے۔

حضرت علامہ اقبالؒ کا فرمان ہے۔

چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

پنڈت جواہر لال نہرو نے جون ۱۹۴۷ء میں کہا' ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان مین مدغم کر لیجئے۔"

ایک ہندو فلاسفر چانکیہ' جسے عرف عام میں کوٹلیہ بھی کہتے ہیں' کوٹلیہ کا مفہوم یا معنی مکار اور فریب کار ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب تحریر کی جس کا نام ارتھو شاستر ہے' یہ کتاب سنسکرت میں لکھی گئی' بعد میں اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی شائع ہوا' اس میں اصول سیاست بیان کیے گئے جو ذیل میں درج ہیں۔

پہلا اصول : حصول اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کبھی ٹھنڈی نہ ہونے پائے۔

دوسرا اصول : ہمسایہ سلطنتوں سے وہی سلوک روا رکھا جائے جو دشمنوں سے رکھا جاتا ہے' تمام ہمسایوں پر کڑی نگرانی رکھی جائے۔

تیسرا اصول : غیر ہمسایہ سلطنتوں سے دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں۔

چوتھا اصول : جن سے دوستی رکھی جائے ان سے دوستی میں ہمیشہ اپنی غرض پیش نظر رہے اور مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

پانچواں اصول : دل میں ہمیشہ رقابت کی آگ کو مشتعل رکھا جائے' ہر بہانہ سے جنگ کی چنگاریاں سلگائی جاتی رہیں۔ جنگ میں

انتہائی تشدد سے کام لیا جائے، حتی کہ خود اپنے شہریوں کے مصائب و آلام کی بھی پرواہ نہ کی جائے۔

چھٹا اصول : دوسرے ملکوں میں مخالفانہ پروپیگنڈا، تخریبی کاروائیاں ذہنی انتشار پیدا کرنے کی مہم جاری رکھی جائے، وہاں اپنے آدمی ناجائز طریقے سے داخل کر کے ففتھ کالم بنایا جائے اور سب کچھ مسلسل انداز سے کیا جائے۔

ساتواں اصول : رشوت اور دیگر اسی قسم کے ذرائع سے اقتصادی جنگ جاری رکھی جائے اور دوسرے ملکوں کے غداروں کو خریدنے کی کوشش کی جائے۔

آٹھواں اصول : امن کے قیام کا خیال تک بھی دل میں نہ لایا جائے خواں ساری دنیا تمہیں اس پر مجبور کیوں نہ کرے۔

کوٹلیہ ہو یا مہاتما گاندھی، ہندو کا مقصد حیات صرف ہندو راج رہا ہے، شدھی اور سنگھٹن کی تحریکات کیا تھیں، مسلمانوں کو ہندو بنانے اور انہیں مرعوب کر کے ان پر غلبہ حاصل کرنے کی سکیمیں تھیں۔"

راجہ مہندر پرتاب نے ۱۹۵۰ء میں اپنی قوم کو اس طرح کا مشورہ دیا۔

"جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا، ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کر سکتا، حالات اسی طرح بدل رہے ہیں، کہ مجھے یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ لائینفک ہو گئی ہے۔ بنا برین میں حکومت ہند کو مشورہ دوں گا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کو ختم کر دے۔"[۸]

اسی طرح ڈاکٹر سونجے اور سلور کرنے، جے۔ اِی سنجانا کے مطابق بڑے زور دار طریقے سے یہ بات بیان کی کہ "جس طرح افغانستان، افغانیوں کا ملک ہے ترکستان ترکوں کا ملک ہے، اسی طرح ہندوستان، ہندوؤں کا ملک ہے۔"[۹]

چنانچہ ہندو مہا سبھائی لیڈر حضرات کا یہی موقف رہا' اور مسٹر گاندھی اور ان کے حواری بھی یہی راگ الاپتے رہے' لیکن مسلمان ہندوستان میں رہ کر ہندوستانی کہلائے مگر وہ ہندو نہ کہلا سکتے تھے۔

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب لکھتے ہیں "سلوتری دیوی نے اپنے کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر تحریر کیا ہے کہ

"ہندوستان کا قومی مذہب ہندو ازم ہے' اور حقیقت میں ہندوستان اس سے الگ ہندوستان نہیں۔"١٠

پروفیسر بلراج مدھوک جو راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ کا صدر تھا ۱۹۴۷ سے پہلے وہ ڈی۔ اے۔ وی کالج سرینگر میں لیکچرر تھا اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

"کہ مسلم لیگ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ تاریخی' نسلی' ثقافتی اور مذہبی امتیاز کی بڑی اہمیت کو دیر کے بعد بیان کیا ہے' جو ہندوستان میں ایک علیحدہ قوم کی شکل اختیار کر گئی ہے اور ایک علیحدہ وطن بھی۔"١١

جب ۱۹۳۰ میں پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی' اس سے پہلے ایک برطانوی رکن پارلیمنٹ کن وردی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ ہندوستان۔ ایک انتباہ' جس میں خصوصی طور پر اس نے یہ ذکر کیا کہ مسلمان تعداد میں کم ہیں اور ہندو بھاری اکثریت کے مالک ہیں۔ مگر دونوں قوموں کے قائدیں کو پتہ ہے' کہ مسلمان اکثریت کے سامنے جھکیں گے نہیں۔ وہ اپنے جداگانہ حقوق کے لیے ضرور لڑیں گے۔" یہ وہی دور تھا جس میں حضرت علامہ اقبالؒ نے خطبہ الہ آباد فرمایا۔ جس میں مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ خود مختار ریاست کی تجویز پیش کی گئی۔ جو ہندوستان میں شمال مغربی اور مشرقی مسلمان اکثریتی علاقوں پر مشتمل ہو گی۔ لیکن اس کے برعکس ہندوؤں کا ہر حیلہ' ہر حربہ اس امر کی خاطر کارفرما تھا' کہ مسلمانوں کو جداگانہ حقوق سے محروم بھی رکھا جائے اور انہیں ہندو قوم میں مدغم بھی کیا جائے۔ اس ضمن میں پروفیسر بلراج مدھوک

نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

"کہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ ان کے آباؤ اجداد ایک ہیں اس لیے کہ اشوک' چندر گپت موریہ' اور ہرش کے زمانے میں ان کے کار ہائے نمایاں مشترک تھے اور پھر یہ خیال کہ رام' کرشن' دیاس اور کلی داس جس طرح ہندوؤں کے عظیم سپوت تھے اسی طرح مسلمانوں کے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کے کارناموں کو بھی اسی طرح منانا چاہیے جس طرح ہندو مناتے ہیں۔ لہٰذا باضابطہ طریقے سے ان مشترکہ عظیم افراد کے تہوار اور دن منائے جانے چاہئیں۔ درحقیقت یہ بدقسمتی ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی قائدین نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بت (نعوذ باللہ) بدھ کی طرح بنا کر نہیں رکھا' تاکہ مسلمان ہندو ازم میں ایک نئے مذہبی فرقے کی حیثیت سے شامل ہوتے۔ جس طرح کہ ہندوؤں نے یونانی اور ہمن قوم کے ضمن میں کیا تھا۔ ۱۲

اس سے مطلب واضح ہے کہ مسلمان ہندوؤں میں جاتے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بت کی پرستش کرتے' اوتار مانتے جیسے بدھ کو اوتار مانا جاتا ہے اور اپنی حیثیت سے دستبردار ہو جاتے۔ مگر ہندوؤں کی ہر کوشش ناکام رہی۔ مسلمان اپنے شاہیر اسلام سے جن میں سلطان صالح الدین ایوبی' محمود غزنوی' اورنگ زیب عالمگیر اور سلطان ٹیپو شامل ہیں کبھی منہ نہ موڑ سکے۔

تحریک خلافت نے بظاہر ہندو مسلم اتحاد کی تصویر پیش کی تھی جس میں مہاتما گاندھی کا مقصد خلافت کی کامیابی یا ناکامی نہ تھا' ان کا مطمع نظر یہ تھا کہ انگریزوں اور عالم اقوام کو یہ باور کرایا جائے کہ ہندوستان میں بسنے والے سب ایک قوم ہیں۔ یعنی ہندوستانی ہیں اور ان کا ایک ہی لیڈر ہے اور وہ مہاتما گاندھی ہے لیکن اس تحریک نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل ایک دوسرے سے کھٹے بھی کیے' سوامی دھرم تیرتھ

مہاراج نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "خلافت کی تحریک پہلی ہندوستان گیر تحریک تھی جس نے پورے برعظیم کی فضا میں ہلچل پیدا کر دی۔ اس تحریک میں سینکڑوں سال کی ہمسائیگی کے باوصف ہندو مسلم دو قومیں پہلی باریک جا اور ہم قدم ہوئیں۔ ہزاروں ہندو اور ہزاروں مسلمان ایک ساتھ جلسوں میں شریک ہوئے اور جلوسوں میں بھی۔ ان جلوسوں اور جلسوں میں ہندو افراد مسلمان قائدین سے ان اکابر کا نام سنتے جن کا نام سننا انہیں گوارا نہ تھا' یہی حال مسلمانوں کا تھا۔ وہ ان ہندو اکابر کا نام سن کر بے مزہ ہوتے جن کو ان کے آباء نے مغلوب کیا تھا۔ یا جن کو وہ بھگوڑے جانتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو قوموں کے دلوں میں ظاہری محبت کے پردے میں باطنی بغض پلتا رہا۔ چنانچہ جونہی تحریک خلافت ختم ہوئی۔ بھڑکے ہوئے جذبات نے ہندوستان گیر ہندو مسلم فسادات کی صورت اختیار کر لی' اور پھر اسی نفرت کے تسلسل کا شاخسانہ تھا جس کو ہندوؤں کی شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں کہتے ہیں۔"[۱۳]

جب برصغیر میں آزادی کی لہر کا کسی حد تک آغاز ہوا تو ہندو نے ہندو کی طرح سوچا اور مسلمان نے مسلمان کی طرح' پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ ہندو مسلم ہزار برس اکٹھے رہے۔ وہ ایک برصغیر میں آباد ضرور رہے۔ مگر اکٹھے کبھی نہ رہے' سب سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ہندو ہے کون' کیا ہندو کی تعریف کی جا سکتی ہے۔

شوکشن کول اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۱ کی مردم شماری ہوئی۔ سر ڈنزل البسٹن (ناظم مردم شماری) کو یہ طے کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ ہندو کون ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر اس باشندے کو ہندو درج کر لیا۔ جو کسی بھی دیگر معین مذہب' عقیدے یا فرقے سے اپنی وابستگی بیان نہ کر سکتا تھا۔ کتاب مزکور کے اس صفحے پر ہندو مذہب اور خصوصاً آریہ فرقے کے معروف عالم راج پنڈت ہر کشن کول کا قول درج کیا ہے۔ وہ بھی سر ڈنزل البسٹن کی طرح بحث کرتے ہیں کہتے ہیں "مختصر یہ کہ وہ تعریف جو ہندو پر ٹھیک منطبق ہو وہ یہ ہے کہ ہندو وہ ہے جو

۱۔ ایسے والدین کے یہاں پیدا ہوا ہو جو ہندو مت کے سوا کسی اور مذہب سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

۲۔ ہندو مت کی حدود میں شادی کرے۔

۳۔ گائے کا احترام کرے۔

۴۔ مردوں کو جلائے۔

سادھو سروپ سنگھ نے مزے کی بات کہی ہے کہ "پجاری منزلت میں کمی یا بیشی اس بت کے حجم کے مطابق ہوتی ہے جسے وہ پوجتا ہے۔"

پھر جس قوم کے معبود آدھے انسان ہوں اور آدھے حیوان' ان کے کئی کئی سر ہوں۔ کئی کئی زبانیں اور کئی کئی دست و بازو تو ایسی قوم اپنے بتوں ہی کی طرح بلند شمار اور عالی فکر ہو گی' پھر اگر وہ کئی ہاتھ دکھائے' بیک وقت کئی کئی متضاد باتیں کرے۔ ظلم کو کرم جانے اور کرم کو ظلم' ایفا کو دغا فرض کرے اور برعکس کو برعکس تر کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔۱۵

مداد سی چوہدری نے رامائن اور مہا بھارت سے ایک ایک کہانی نقل کی ہے مثلاً رام جی نے سنا کہ برہمن کا لڑکا اچانک مر گیا' فوراً خیال آیا کہ ضرور دھرم کے خلاف کوئی بات ہوئی ہے۔ تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ ایک نیچ ذات کا شخص ایسی مذہبی رسوم ادا کر رہا ہے جو فقط برہمن کو کرنی چاہیے' رام جی نے فوراً اس شودر کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ادھر شودر کا سر قلم ہوا اور دھر وہ برہمن زادہ زندہ ہو گیا۔۱۶

مہا بھارت سے ایک کہانی لی گئی کہ "ایک نیچ ذات کے نوجوان نے ڈرونا برہمن کی مورتی کو پوج پوج کر اور اس کے سامنے مشق تیر اندازی کرتے کرتے یہ مہارت حاصل کر لی کہ وہ کورو پانڈو شہزادوں سے بھی فن تیر اندازی میں استاد تھا' اسے فوراً کھشتری ہونے کے ناطے سے اپنے فرائض کا احساس ہوا۔ اور اس نے اس نوجوان سے نذرانے کا مطالبہ کیا۔ اس لیے کہ جو شاگرد جب ٹھیک سے سبق سیکھ جائے تو

اپنے گرو کو دکشنا دیتا ہے اس لڑکے کو پنچ ہونے کے باعث ڈرونا نے خود نہیں سکھلایا تھا۔ لڑکے نے اس کی مورتی بنالی تھی اور اس کے سامنے مشق جاری رکھی تھی۔ بہر حال شاگرد نے کہا "فرمایئے کیا دکشنا چاہیے" برہمن ڈرونا نے کہا "تمہارے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا" شاگرد نے فوراً وہ انگوٹھا جس پر اس کے تیر اندازی کے فن کا انحصار تھا' کاٹ کر گرو کے آگے رکھ دیا۔" یہ ہے وہ ہندو جس کا اپنوں کے ساتھ یہ سلوک' یہ رویہ' ہمدردی' وفاداری اور جذبہ انسانیت ہے۔ حال ہی میں ہندوستان کے موجودہ وزیر اعظم مسٹر وی پی سنگھ کے پنچ ذاتوں کے لیے ملازمت میں کوٹہ مقرر کرنے پر پورے ہندوستان میں اونچی جاتی والوں نے وہ حشر برپا کیا کہ خدا پناہ۔ ہڑتالیں کی گئیں' گھیراؤ جلاؤ کا نظام جاری کر دیا۔ کئی جانیں تلف ہوئیں۔ ہزاروں اونچی جاتے والے گرفتار ہوئے۔ اگر ان کا اپنوں کے ساتھ یہ سلسلہ رواداری اور محبت ہے تو دوسرں کے ساتھ کیا ہو گا' خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ کیسے جزبہ انسانیت پرواں چڑھ سکتا ہے۔

چنانچہ مسلمانان ہند کے ساتھ یہی رویہ ہندو جاتی کا اس وقت بھی تھا جب پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ اور پھر یہی رویہ' تعصب اور نفرت کی آگ پاکستان کے قیام کے بعد بھی ہندوؤں کے سینوں میں سلگتی رہی۔ اور اب تک یہی حال ہے۔ مہاتما گاندھی نے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اپنی شام کی پرارتھنا کی میٹنگ میں کہا تھا کہ

> "اگرچہ میں نے جنگ کی ہمیشہ مخالفت کی ہے لیکن اگر اس سلسلے میں پاکستان سے انصاف حاصل کرنے کا کوئی اور طریق کارگر نہ ہوا تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا' کہ ہندوستان' پاکستان کے خلاف جنگ کرے۔"

> "ہندوؤں نے اپنی حکومت قائم ہونے کے بعد' پہلا کام یہ کیا کہ سومنات کی جامع مسجد کو۔ جو ایک ہزار سال سے وہاں ایستادہ تھی۔ مسمار کر کے اس کی جگہ مندر بنا دیا' یہ تقریب بڑے جوش و خروش سے منائی گئی

اور اس مقدس رسم کی ادئیگی کے لیے سیکولر حکومت کے صدر بابو راجندر پرشاد کو دعوت دی گئی۔ اس کے بعد جو وہاں مسجدیں ڈھانے کی طرح پڑی ہے تو پھر ایسے واقعات کا کوئی انت شمار نیں رہا۔ حالانکہ تقسیم ملک سے متعلق آئین میں اقلیتوں کے مذہب اور ثقافت کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی۔ اخبار مدینہ کی ۲۸ جولائی ۱۹۶۵ء میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق اس وقت تک ایک شہر لدھیانہ کی ۱۱۷ مساجد میں سے ۹۰ میں گردوارے بن چکے تھے۔ ۱۵ میں مندر اور باقیوں میں رہائش"۔۱۷

بابری مسجد کے ضمن میں جو خبریں بھارت سے موصول ہوتی رہتی ہیں۔ خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ انتہا پسند ہندو بابری مسجد کی جگہ مندر تعمیر کرنے کے لیے انتہا پسندانہ اقدامات پر اترتے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حکومت بھارت کو ان کے مطالبے کے سامنے جھکنا پڑے گا' آخر حکومت بھی تو ان کی اپنی ہے۔ یہ واقعات ایسے ہیں جن سے ہندو کے تعصبات کم ظرفی' بربریت اور وحشیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی درندگی اور حیوانیت کے منہ بولتے مظاہر ہیں۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ پاکستان کو کمزور اور کھوکھلا کرنے کے لیے اور اسے ہڑپ کرنے کے لیے کلوشیں جاری ہیں۔ مگر پاکستان بفضل تعالٰی قیامت تک سلامت رہے گا۔ پاکستان آنے والے دور کے لیے احیاء اسلام کا باعث بننے والا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے پاکستان کی تخلیق اسلام کے قلعے کے طور پر فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس جو ۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا' "پاکستان کا مطالبہ اب کڑوروں مسلمانوں کے نزدیک ایمان کا حصہ بن چکا ہے یہ اب ایک نعرہ ہی نہیں۔ مسلمانان ہند نے اس حقیقت کو اچھی طرح پہچان لیا ہے کہ ان کی حفاظت' نجات اور مقدر کا واحد ذریعہ پاکستان ہے۔ وہ پاکستان جو وجود پذیر ہو گا تو ساری دنیا میں یہ آواز گونجے گی کہ ایک ایسی مسلم سٹیٹ معرض وجود میں آئی ہے جو اسلام کے درخشندہ

عظمت و وقار کا احیاء کرے گی"-۱۸

حضرت قائداعظمؒ نے ایک مرتبہ یہ حکم بھی صادر فرمایا تھا' "میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے آپ پر بھروسہ کریں اور اپنے مقدر کو اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہمیں پر اعتماد افراد کی ضرورت ہے۔ پرعزم اور بلند حوصلہ افراد کی ضرورت ہے۔ جو اپنے ٹھوس نظریات کے لیے اگر ضرورت پڑے تو پوری دنیا کے ساتھ بر سر پیکار ہو جائیں-۱۹

یہ حضرت قائداعظمؒ ہی کی پرعزم قیادت کا اعجاز تھا کہ مسلمانان ہند آزادی و خود مختاری جیسی نعمت سے ہمکنار ہوئے' حضرت قائداعظمؒ کی بلندی ذہانت و بلندی کردار' عظمت فکر' پختگی ایمان و ایقان' صداقت سیاست اور شجاعت قیادت تھی کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا اور دشمنان اسلام کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اب ہمارے موجودہ قائدین اور سیاسی زعمائے کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ پاکستان کی تعمیر و تشکیل کے فرائض حضرت قائداعظمؒ کے اقوال اور ارشادات کی روشنی میں انجام دیں۔

# حوالہ جات


۱۔ طلوع اسلام — اگست ۱۹۸۰ء

۲۔ آرگنائزر — ۳ جولائی ۱۹۴۸ء

۳۔ ہندو کیا ہے — از غلام احمد پرویز۔ ادارہ طلوع اسلام لاہور۔ انجمن اشاعت نظریہ پاکستان صفحہ نمبر ۲۱

۴۔ روزنامہ امروز — اشاعت ۲۰ ستمبر ۱۹۷۲ء

۵۔ طلوع اسلام — اگست ۱۹۸۰ء

۶۔ ہندو کیا ہے — از غلام احمد پرویز ادارہ طلوع اسلام انجمن اشاعت نظریہ پاکستان صفحہ نمبر ۲۷

۷۔ ایضاً — ایضاً — صفحہ نمبر ۷

۸۔ ویر بھارت — ۲۱ دسمبر ۱۹۵۰ء

۹۔ ڈائی مین شنز آف پاکستان مومنٹ مصنفہ: پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ ۷۵

۱۰۔ ایضاً — ایضاً — صفحہ ۷۷

۱۱۔ ایضاً — ایضاً — صفحہ ۷۸-۷۷

۱۲۔ ایضاً — ایضاً — صفحہ ۲۷

۱۳۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنفہ: عبدالوحید خان مقدمہ: پروفیسر محمد منور مرزا' صفحہ نمبر ۴۰۰-۳۹۹

۱۴۔ The Continent of Cerci By: Nirad C. Chaudhry P-6

۱۵۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ' مقدمہ پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ نمبر ۴۰۸

۱۶۔ The Continent of Cerci By: Nirad C. Chaudhry P-127

۱۷۔ طلوع اسلام — فروری ۱۹۴۶ء

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۔ تقاریر جناح | جلد دوم | صفحہ نمبر ۸۵ |
| ۱۹۔ دی گریٹ لیڈر | مصنفہ: الیس عبداللطیف | صفحہ نمبر ۱۸۳ |

# حضرت قائداعظمؒ کا فرمان ---- ''پاکستان قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے''

پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ ''ہم متحدہ ہندوستان کے آرزو مند تھے' لیکن جب ہم نے دیکھا کہ تقسیم کے علاوہ کوئی حل نہیں تو ہم نے اسے قبول کر لیا۔ قدرتی طور پر پاکستان کے ساتھ ہمارا ممکن حد تک قریبی تعاون ہونا چاہیے تھا' ہم تعاون چاہتے ہیں اور اس کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اور ایک نہ ایک دن لازمی طور پر (ہندوستان اور پاکستان کی)'' یکجائی عمل میں آئے گی۔ تاہم میں نہیں جانتا کہ کب؟ چار پانچ یا دس سال کے بعد۔[۱]

پاکستان کو معرض وجود میں آئے تقریباً ۴۳ سال ہو گئے ہیں۔ لیکن ہندو جاتی نے پاک و ہند کی اس تقسیم کو گؤ ماتا کی تقسیم قرار دیتے ہوئے پاکستان کو آج تک تسلیم نہیں کیا' کیونکہ گاندھی نے گؤ ماتا کو ہندو دھرم کا ایک ارفع و اعلیٰ نشان اور علامت تصور کیا تھا۔ کیا آپ یہ خیال دل میں لا سکتے ہیں کہ ہندوؤں نے اس تقسیم کو دل سے بھلا دیا ہے۔ ہرگز نہیں ہندو کا مشن جاری ہے' وہ اپنی لگن میں مصروف پیکار ہے۔ اس کا مقصد عظیم تقریباً نصف مکمل ہو چکا ہے۔ جوناگڑھ' حیدر آباد اور کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ ہو چکا ہے۔ کیا یہ ساری تاریخ ہمارے لیے باعث عبرت نہیں ہے۔ کیا

اب بھی مغربی پاکستان کے باغیرت اور جری عوام جو قریباً ۹ کروڑ ہیں ہندو کی غلامی میں جانا پسند کریں گے' کیا اسلام کفر سے مصالحت پر اتر آتا ہے! کیا اسلامی تاریخ کے وارث اور حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار' بت پرستوں کی غلیظ زنجیروں میں جکڑے جا سکتے ہیں؟ چند انتہائی اہم سوالات ہیں اور انتہائی غور طلب ہیں۔

مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد آپ میں سے کوئی شخص یہ فرض کر سکتا ہے کہ بھارت نے اگر مغربی پاکستان کو فی الحال برداشت کیا ہوا ہے' تو اس کی کرم نوازی اور فیاضی کا ثبوت ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہیں جو یہ سوچے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ بھارت اپنے مشن مہاتمائیت اور مہابھارت کی تکمیل کے لیے آپ کو ایک مرتبہ پھر آزمانے کی کوشش کرے گا' ممکن ہے آپ کو سنبھلنے سے پہلے ہی دبوچ لیا جائے' چنانچہ آپ کو ہر لحہ ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی چیلنج کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ تاکہ عزیز ازجان پاکستان کی آزادی و سالمیت پر کوئی آنچ نہ آئے۔

لارڈ مونٹ بیٹن کو پاکستان کے دشمنوں میں صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابھی تقسیم عمل میں لائی جا رہی تھی' تو انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان جس طرح وجود میں لایا جا رہا ہے۔ یہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ پاکستان کے لیے بے بہا مصائب اور مشکلات پیدا کر دی جائیں گی۔ تاکہ فوج کشی کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو' چنانچہ ایسا ہی ہوا تاریخ آپ کے سامنے ہے' اور اس کے باوصف پاکستان خدا کے فضل و کرم سے ہر قدم ترقی و تعمیر کی طرف ہی بڑھا ہے۔

ہندوستان کی تقسیم' ہندوؤں کو ایک بہت بڑی شکست کی یاد تازہ کراتی ہے اسی شکست سے بچنے کے لیے ہندو جاتی نے کتنے ہاتھ پاؤں مارے۔ کتنے حیلے بہانے اور کتنی تدابیر اختیار کیں۔ یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جا سکتا' یہ ایک طویل قصہ ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تقسیم ہند' گاندھی کے گاندھی ازم ان کے مہاتمائیت کا خاتمہ اور ان کی مہاتمائیت کی شکست تھی' خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جب پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک

آزاد اور خود مختار مملکت کی صورت میں ابھرا تو گاندھی مہاراج اس وقت بقید حیات تھے، اور انہوں نے اپنی شکست اپنی آنکھوں سے دیکھی اور حضرت قائداعظمؒ کے ایمان و ایقان خلوص و تدبر، محنت و مشقت اور قائدانہ صلاحیتوں کو بھی بچشم خود دیکھا تھا۔

جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو جسٹس مہرچند مہاجن (سابق چیف جسٹس آف انڈیا) اور وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر کے مطابق دسمبر ۱۹۴۷ میں پاکستان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، اور یہ سب کچھ دہلی میں ایک خفیہ میٹنگ میں طے ہوا، اس میٹنگ میں وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ، جنرل تمیا، مہراجہ پٹیل، ہری سنگھ آف کشمیر، مہرچند مہاجن (اس وقت وزیر اعظم ہری سنگھ تھا) اور بخشی غلام محمد شامل تھے۔ جنرل تمیا کو گوریلوں کی فوری تربیت کے احکام جاری کیے گئے۔ لیکن پاکستان کی خوش قسمتی سے یہ سازش اور منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ بہرحال بھارت نے پاکستان کو ختم کرنے کے لیے کون کون سا محاذ نہیں کھولا، کیا کیا منصوبے نہیں بنائے گئے۔ اور کون کون سے تیر نہیں آزمائے گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا جغرافیہ سکڑ گیا، پاکستان کا وہ جغرافیہ جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تھا وہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں نہ رہا، لیکن سوال جغرافیے کا نہیں، سوال تاریخ کا ہے، ہم اہل جغرافیہ کب تھے، ہم تو ہمیشہ اہل تاریخ رہے ہیں۔ مسلمان لمبے چوڑے جغرافیے کا قائل نہیں ہوتا، ہم میں اب بھی اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کا جذبہ موجزن رہا، تو ہم ۹ کروڑ پاکستانی مسلمان ایک نہ مٹنے والا پہاڑ بن کر ابھر سکتے ہیں۔

پاکستان کو ختم کرنے کے لیے بھارت نے کیا کچھ نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کر رہا، بھارت نے پاکستان کے خلاف جارحیت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھارت کے گھناؤنے اور ناپاک عزائم کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں۔ حضرت قائداعظمؒ نے تو یہ فرمایا تھا کہ "جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں ہم ہار نہیں مانیں گے۔" پاکستان کے تحفظ اور سالمیت کے لیے میں تنہا لڑوں گا۔ اس وقت تک لڑوں گا۔ جب تک میرے

ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم یں خون کا آخری قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے کہنا ہے کہ جب ایسا وقت آجائے۔ کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنی پڑے، تو آپ کسی صورت میں ہتھیار نہ پھینکیں، بلکہ پہاڑوں، جنگلوں، سمندروں، آسمانوں اور میدانوں میں جنگ جاری رکھیں۔"

قرآن حکیم کا یہ صریح فیصلہ ہے کہ کافر جب مسلمانوں کی عظمت و کمال اور ان کی ترقی و خوشحالی کو دیکھتے ہیں تو انہیں سخت صدمہ پہنچتا ہے، اور جب مسلمانوں کی حالت دگرگوں اور ناگفتہ بہ دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت پاکستان کی تحریک کے دوران تھی، یہی کیفیت اس وقت بھی تھی، جب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو پاسکتان کی قرار داد منظور کی جا رہی تھی، اور یہی حالت اور کیفیت اس وقت بھی تھی، جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصہ شہود پر آیا تھا۔ یہی سلسلہ ۱۹۶۵ء میں جاری رہا۔ یہی کیفیت ۱۹۷۱ء میں رہی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کفر اور اسلام، میں کبھی صلح اور دوستی ہو سکتی ہے، وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، کفر کے عصب کا پیمانہ ہی کچھ اور ہوا کرتا ہے، ذرا اسلامی تاریخ پر نظر دوڑائیں، آپ کو یہ تعصب نمایاں نظر آئے گا۔ اسلام کفر کے لیے ہمیشہ اعلان جنگ رہا ہے۔ اور اعلان جنگ رہے گا۔ دین اسلام کا علم تھامنے والوں قرآن حکیم کے حکم کے مطابق آپ کر ہر وقت تیار رہنا ہو گا، ہمارے گھوڑوں کی زینیں کسی رہیں گی، تاکہ ہمارے اور خدا کے دشمن مرعوب رہیں۔"

اندرا گاندھی نے کہا تھا، "بر صغیر کا سیاسی نقشہ از سر نو کھینچا گیا ہے۔ اور لادینی ہندوستان اور ایک مسلمان غلبے والی مملکت کے دوران موروثی اور ناقابل عبور قسم کی مخالفت کے جذبے کا بطلان ہو گیا ہے۔ یہ چیز ہماری کسی کوشش کی مرہون منت نہیں، بلکہ خود یہ (پاکستان کا) تصور بھی ناقابل قبول تھا۔"[۲]

اندرا گاندھی کی پاکستان دشمنی کے پیش نظر روز نامہ "ٹیلیگراف" نے لکھا ہے،

"ہندوستان تخلیق پاکستان پر کبھی رضامند نہ ہوا تھا۔ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ کے روز ہی کہ جب جنگ شروع ہوئی تھی' اندرا گاندھی کلکتہ میں ایک اجتماع سے کہہ رہی تھیں کہ کوئی بھی ملک کسی خاص مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتا' تاہم پاکستان اس فضول بات پر قائل ہو تھا۔ ہندوستان اور اسکے راہنما اس امر کے قائل ہیں اور قائل چلے آئے ہیں۔ کہ پاکستان ایک ایسی قوم ہے جسے قائم رہنے کا کوئی حق نہیں اور جسے قائم ہونا ہی نہ چاہیے تھا۔"[۳۴]

اسی طرح فرزند اندرا گاندھی' سابق بھارت وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے سیاچین گلیشئر کے علاقے کے دورے میں بھارتی افواج کو سخت ہدایات جاری کیں' کہ وہ پاکستان کو ایسا سبق سکھائیں کہ اس کو نانی یاد آ جائے' اس قسم کی دھمکیاں ان کی طرف سے کوئی نئی بات نہیں' بلکہ وہ تو آئے دن اس طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ جس سے ان کی ہندوانہ ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ روسی ایٹمی آبدوزیں اور دیگر ایٹمی اسلحہ جو بھارت کو ترسیل کیا جا رہا ہے۔ وہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ سری لنکا' نیپال اور بھوٹان کے لیے نہیں ہے بلکہ پاکستان کے خلاف استعمال کیاجائے گا۔

ہندو نے دراصل تقسیم ہند سے لے کر آج تک پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور وہ ہر لحہ اس تاک میں رہتا ہے کہ کب مناسب موقع میسر آئے اور وہ پاکستان پر چڑھ دوڑے۔ ہندو برصغیر کو گئو ماتا تصور کرتاہے۔ اور ہندو دھرم میں گئوماتا کی تقسیم پاپ تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس پاپ کی پاداش میں ہندو نے ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی آزادی کے خود مختاری کو ملیامیٹ کرنے کے لیے بزدلانہ طریقے سے حملہ کیا' اس کے بعد دسمبر ۱۹۷۱ء میں جب اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان تھیں۔ پاکستان پر حملہ کیاگیا اور پاکستان کو دو لخت کر دیا گیا۔

کیا افغانستان پر روسی افواج کا قبضہ پاکستان کے لیے ایک مستقل خطرے کا سگنل نہیں ہے؟ پاکستان کی مشرقی سرحدوں اور کے علاقے میں ہندو افواج کا آئے دن اجتماع

اس بات کی غمازی نہیں کرتا' کہ پاکستان کی سلامتی و خود مختاری ہندو کے دل میں کانٹے کے طرح کھٹک رہی ہے؟ اور وہ پاکستان کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں ہیں۔

سٹیفن نے اپنی کتاب "ہارنڈ مون" میں لکھا ہے۔ "میں نے بڑی دل چسپی کے ساتھ تقسیم سے بہت قبل ان اعلانات کو بھی اخبارات میں پڑھا تھا' جو افغانستان کے دارالخلافہ کابل میں سرحدی گاندھی عبدالغفار خان اور پٹھانی امور میں ایک ماہر ہندو کے سفر کے متعلق شائع ہو رہے تھے۔ کیونکہ یہ ظاہر تھا کہ اگر پاکستان کی تخلیق کے بعد جس کا محض تخیل ہی اس وقت تک ہندوستانی قوم پرستوں کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔ کشمیر اور افغانستان میں جو دونوں بیشتر مسلم علاقے تھے' اور ایک دوسرے سے قریب تھے' پاکستان کے خلاف مشترکہ اقدامات کئے جاتے' تو پاکستان کی نئی ریاست پیدا ہوتے ہی ایک قسم کے ہر طرفہ حملے سے ختم ہو کر رہ جاتی' اور اسوقت تک خان عبدالغفار خان کا بھائی ڈاکٹر خان صاحب صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ تھا۔"[۳]

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب "انڈیا ون فریڈم" میں لکھا ہے کہ "سردار پٹیل کو پورا یقین تھا کہ پاکسان کی نئی ریاست چلنے والی نہیں ہے' وہ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کی منظوری مسلم لیگ کو تلخ سبق دے گی' پاکستان تھوڑے عرصے میں گر جائے گا۔ ان صوبوں کو جو ہندوستان سے الگ ہوں گے' ناقابل بیان مصائب اور تکالیف کا سامنا ہو گا۔"[۴]

۵ اپریل ۱۹۴۷ میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک بیان میں کہا "کانگریس' مسلم لیگ کے مطابق پاکستان کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گی' خواہ کچھ بھی ہو۔ خواہ برطانوی حکومت بھی رضا مند ہو جائے اس زمین پر کوئی چیز مسٹر جناح کی خواہش کے مطابق پاکستان نہیں دے سکتی' یو۔ این۔ او بھی نہیں۔"

یہ تھی ہندو کی پاکستان دشمنی' عناد اور تعصب' جو تاحال جاری و ساری ہے۔ مگر

ہم ہیں کہ اپنے گرد و پیش اور جغرافیائی صورت حال سے اتنے غافل اور بے نیاز ہیں' کہ ہمیں یہ احساس ہی نہیں کہ ہم نے آزادی و خود مختاری کو کتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا اور اس آزادی و خود مختاری میں ہمارے اس وقت کے قائدین کا کس قدر خون جگر شامل ہے' لاکھوں شہیدوں کے لہو نے تاریخ کے ابواب کو سینچا ہے۔

ہر قوم کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اور اپنا اپنا قومی کردار ہوتا ہے۔ جب کوئی آڑا وقت آتا ہے تو وہ خصوصیات اور کردار ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ کیا ہم پاکستانیوں کو اس بات کا احساس ہے کہ دشمن ہمیں چومکھی جنگ سے ہمکنار کر دینا چاہتا ہے۔ اور ہم سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کس طرح تقریبات اور جشن منانے میں مصروف رہتے ہیں۔ کتنا قومی سرمایہ ضائع ہو رہا ہے۔ کتنا قومی وقت برباد ہو رہا ہے۔ ہم کتنے لسانی' علاقائی' صوبائی' مذہبی' ثقافتی اور سیاسی تعصبات سے دوچار ہیں۔ ملک میں دھماکوں نے زلزلہ پیدا کر رکھا ہے۔ کتنا جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے۔ کراچی کے احوال ابھی تک بے قابو ہیں۔ وہاں کون کس کے لیے کیا کر رہا ہے۔ کس کا راستہ صاف ہو رہا ہے۔

نقصان نہیں بلا سے جنون میں ہو گھر خراب
دو گز زمین کے بدلے بیاباں گراں نہیں

جب کسی قوم کا کوئی معنوی قائد نہ رہے' تو وہ قوم شتر بے مہار ہو جاتی ہے۔ ہمارے قائدین کا ایک لشکر جرار ہے۔ جنہیں یہ وہم ہے کہ ان کی قیادت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ قیادت تو خود بخود اپنے آپ کو تسلیم کراتی ہے۔ اتنے بڑے برصغیر میں حضرت قائداعظمؒ کی قیادت کو کیوں تسلیم کیا گیا۔ وہ کونسی وجوہات تھیں' جن کے سبب قائداعظمؒ' قائداعظمؒ بنے' ایک قابل توجہ بات ہے۔

حال ہی میں بسنت کے موقع پر قوم کو مصروف پیکار دیکھا گیا' لاہور کا آسماں بقعہ نور بنا ہوا تھا' ہر گھر کی چھت پر روشنیوں کے مینار نظر آ رہے تھے' آسمان رات کو

پتنگوں سے جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا' پٹاخے اور فائرنگ کا بے دریغ استعمال' مقفع اور مجمع' نعرے بازی' بے تکلف انگریزی موسیقی کا تبادلہ و مقابلہ' بو کاٹا کے لرزہ براندام آوازے' تمام رات چھتوں پر جشن ہی جشن' نہ کسی بیمار پڑوسی کا احساس' نہ کسی طالب علم کے وقت کے ضیاع کا احساس' نہ قومی سرمائے کی بربادی کا خیال---- کروڑوں روپے کا ضیاع' فقط ایک رات میں کئی افراد ہلاک' سینکڑوں زخمی' فلڈ لائٹس کا بے تحاشا استعمال' ڈھول کی تھاپ پر رقص آرائیاں' کس قومی ترقی و تعمیر کی عکاسی کرتی ہیں۔

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حرف سنگ

خون دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے فافل نہ جلترنگ

ظاہر ہے کہ ایسے افعال و اعمال اور اشغال و تفریحات ایسی قوم کو زیب نہیں دیتیں' جس کا دستور حیات اور سیاست و جمہوریت کا قبلہ ہنوز متعین کرنا باقی ہے۔ ہماری قوم کے افراد کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ اپنی روح کے اندر وہی جذبہ اور ولولہ پیدا کریں جو تحریک قیام پاکستان کے دوارن موجزن تھا' روح دراصل ایک شعور کل کا نام ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی زندگی بامقصد اور بامعنی بن کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ زندہ روح سے خالی اور عاری قوم کو زمانے کے طوفان خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتے ہیں۔

حضرت قائداعظمؒ نے ۱۹۴۱ء میں لاہور میں ایک تقریر کے دوارن فرمایا تھا۔

ہم جس جدوجہد سے گزر رہے ہیں' اس سے بلاشبہ مادی فائدے بھی وابستہ ہیں' لیکن اس سے کہیں زیادہ قیمتی وہ شے ہے' جسے مسلمانوں کی روح کہا

جاتا ہے۔ اور جس کے بغیر ان کی ہستی باقی نہیں رہتی۔ اگر ہم اس معرکے میں ہار گئے، تو ہمارا سب کچھ لٹ جائے گا۔ ولندیزیوں کے ایک محاورے کی زبان میں ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ دولت کا چھن جانا کوئی معنی نہیں رکھتا، اور اگر ہمت چھن جائے تو کچھ ضرور چھن جاتا ہے۔ اگر عزت نہ رہے، تو بہت کچھ باقی نہیں رہتا، لیکن روح کا چھن جانا ہر شے کا چھن جانا ہے۔"

اسی طرح اور جگہ مسلمان طلباء کو خطاب فرماتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا۔

"میں خاص طور پر مسلمان طالب علموں اور دانشوروں سے کہوں گا، کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں، اور تیار ہو جائیں، قوموں کی ترقی اور خوش بختی کا انحصار ان دانشوروں پر ہے، اور مسلمان قوم اس وقت کے انتظار میں ہے کہ اس کے پڑھے لکھے بیٹے اٹھیں اور رہنمائی کریں، اور تاریخ میں لکھی ہوئی کامیابیوں اور روائیتوں کی شہادت دیں، اسلام ہر مسلمان سے اس فرض کی ادائیگی کا حق مانگتا ہے۔"

ڈاکٹر کاشیو لکھتا ہے۔

"بنگلہ دیش کا قیام اس دو قومی نظریئے کو بیک جنبش قلم ختم کر دے گا۔ جس پر پاکستان قائم ہوا تھا۔ یہ نظریہ پاکستان کے جود میں آنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر پاکستان قائم ہے۔ اور بس کی بناء پر ہمارے ملک کو تقسیم کیا گیا تھا۔ ہم نے کبھی اس نظریے سے اتفاق نہیں کیا۔"۵

چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان میں محکمہ نشریات کی رسم افتتاح کے موقعہ پر حضرت قائداعظمؒ نے قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا تھا۔ "۱۴ اگست کو پاکستان کی آزاد اور خود مختار مملکت وجود میں آچکی اور مسلمان قوم کی وہ آرزو پوری ہو گئی جس کے لیے اس نے کئی سال تک مسلسل جدوجہد کی تھی اور جس کے لیے بے انتہا قربانیاں

دی تھیں۔ اس موقع پر ہم ان مجاہدوں اور شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ جو آج اس ملک میں نہیں۔ مگر جنہوں نے اپنی جدوجہد سے حصول پاکستان کے خواب کو حقیقت کر دکھایا۔

اس نئی مملکت کے معرض وجود میں آنے سے درحقیقت ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں اور ہمیں پاکستان کے شہری کی حیثیت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم مختلف خصوصیات رکھتے ہوئے بھی ایک ہی قوم کے افراد ہیں۔ ہم میں ذات پات کی کوئی تفریق نہیں۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت خلوص اور امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور ملک کی خوشحالی کے لیے متحدہ جدوجہد کرنے کے اہل ہیں۔

ہمارا مقصد امن ہے۔ دنوں طرح امن یعنی ملک کے اندر جو حصہ میں بھی اور ملک کے باہر دوسرے علاقوں میں بھی' ہم نہ صرف اپنے پڑوسیوں بلکہ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں نہ کسی ملک سے دشمنی ہے اور نہ کسی کے خلاف کوئی جارحانہ عزم' اقوام متحدہ کے منشور پر ہمیں پورا اعتماد ہے۔ ہم دنیا میں سلامتی اور خوشحالی کے خواہاں ہیں اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے دنیا کو دکھایا دیا کہ مسلمان ایک متحدہ قوم ہیں۔ وہ راستی پر تھے اور اللہ نے ان کے لیے کامیابی کی راہیں استوار کر دیں۔ آج ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں پاکستان حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی' اب ہمیں وہ واقعات بھلا دینے چاہئیں جو قیام پاکستان کے سلسلے میں رونما ہوئے۔ اگر اس ملک میں غیر مسلم اقلیتیں اپنے فرائض انجام دیتی رہیں اور پاکستان کے ساتھ وفادار رہیں تو یہاں ان کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔ ہم اپنے قول اور نظریات پر پابندی سے عمل رکیں گے اور دکھا دیں گے کہ اقلیتوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیسے کیا جاتا ہے۔

آج جمعتہ الوداع ہے جو اس برصغیر کے مسلمانوں کے لئے عموماً خوشی کا دن ہے

ہمیں چاہیے کہ لاکھوں کی تعداد میں مسجدوں میں جمع ہو کر اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کی گدائیت کے متمنی ہوں۔۶

اسی طرح انہوں نے ۲۴ اگست ۱۹۴۷ کو بحیثیت گورنر جنرل پاکستان مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام پر انتہائی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

میرے پاس ان واقعات کو بیان کرنے اور ان کی مذمت کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ بخوبی اندازہ ہے کہ ان انسانیت سوز مظالم کا اس ملک کے مسلمانوں پر کیا ردعمل ہوا ہے۔ لیکن میں انہیں صبرو رضا کی تلقین کرتا ہوں کہ مبادا وہ جوش میں آ کر کوئی انتقامی کاروائی نہ کر بیٹھیں جس سے یہاں کے اقلیتوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے۔ یقیناً یہ وقت ہمارے لئے سخت آزمائش کا ہے۔ ہمارا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو چکا ہے تاہم میں یہ کہوں گا کہ عقل پر جذبات کو حاوی نہ ہونے دیا جائے۔ تاکہ ہمارے نئی مملکت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو' ہم نے بہر حال مشرقی پنجاب کے مظلوم مسلمانوں اور وہاں کے شہیدوں کے پسماندگان کے لئے ہر قسم کی امداد دینے کے انتظامات کر لئے ہیں اور جو مسلمان بھی فساد زدہ علاقوں سے پاکستان آنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ہر قسم کے سہولتیں مہیا کر دی ہیں۔ البتہ پاکستان میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہ ہونی چاہیے۔

ہمیں اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو ہر لحظہ اس مملکت کے وجود کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی انتقامی کاروائی سے گریز کریں کیونکہ ایسا کرنے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ پاکستان کو مٹانے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں۔ پاکستان کی جڑیں بہت مضبوط اور گہری ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ

اس مملکت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں کیونکہ یہ اسلامی ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست ہے اور اسے اقوام عالم میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ ہمیں اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں ان صدمات کو برداشت کرنے کی ہمت اور صبر کی توفیق عطا فرمائے۔"۷

مسلم لیگی کارکن سید ہلال احمد سے انٹرویو کے دوران جب یہ پوچھا گیا کہ آیا حضرت قائداعظمؒ کو قتل کرنے کی سازش تیار کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ سازش ضرور ہوئی تھی۔ دراصل ہندوستان کے جن سنگھی غنڈوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ پاکستان کے گورنر جنرل کو طور پر اپنے وعدہ کا حلف اٹھانے کی تقریب سے پہلے کراچی میں حضرت قائداعظمؒ کے جلوس پر بم پھینک کر بانی پاکستان کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس سازس کا انکشاف' اس طرح ہوا کہ میں اور چوہدری محمد عبداللہ سیکرٹری ڈسٹرکٹ لیگ لدھیانہ بازار سے گھر جا رہے تھے۔ راستہ میں کیمونسٹ کارکن اوم پرکاش ہم سے مل گئے۔" انہوں نے کہا کہ ہم اپنے حضرت قائداعظمؒ کی خیر منائیں۔ رات ہوئی تو ہم اوم پرکاش کے گھر پہنچے' اور اس سے ساری بات دریافت کی۔ اس نے ہمیں بتایا کہ کراچی میں حضرت قائداعظمؒ کو ہلاک کرنے کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور فلاں جن سنگھی کارکن اس سازش کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے کراچی پہنچ چکے ہیں۔ ہم نے یہ وحشناک اطلاع ملتے ہیں خواجہ طاہر کو لدھیانہ سے لاہور بھیجا' جہاں وہ میاں ستار دولتانہ سے ملے۔ میاں دولتانہ نے سازش کی تفصیل سن کر خواجہ طاہر کر بذیعہ طیارہ کراچی بھیج دیا۔ خواجہ طاہر نے کراچی میں راجہ غضنفر علی خان سے ملاقات کی۔ پھر پولیس کے پاس رپٹ لکھوائی گئی اور جن سنگھیوں کو جب گرفتار کیا گیا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ حضرت قائداعظمؒ کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"۸

خدا تعالیٰ نے حضرت قائداعظمؒ سے ایک عظیم کام لینا تھا۔ اور حضرت قائداعظمؒ اس کام کے لیے مقرر کر دیئے تھے۔ لہٰذا یہ منشائے خداوندی تھی کہ حضرت قائداعظمؒ

زندہ سلامت رہتے اور پاکستان کو قائم کر کے دنیائے فانی سے رخصت ہوتے۔

پروفیسر کرم حیدری تحریر فرماتے ہیں کہ "مسلمان مہاجرین پر جو قیامتیں گذریں، کشمیر، جوناگڑھ اور حیدر آباد میں جو حالات پیدا ہوئے، ہندوستان نے ریشہ دوانیوں سے پاکستان کو جس جس طرح نقصان پہنچائے۔ ان سے عوام میں افسردگی اور مایوسی کی لہر دوڑ گئی اس وقت کوئی مسلمان ملک بھی اس قابل نہ تھا کہ پاکستان کو معقول مدد دیتا یا بین الاقوامی دنیا میں اس کا سہارا بنتا، بڑے ممالک کو پاکستان سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ ان کا رجحان ہندوستان کی طرف زیادہ تھا، قائداعظمؒ جانتے تھے کہ عوام میں مصائب کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ کم ہوتا ہے۔ پھر اس وقت بھی ایسے لوگ موجود تھے جو عوام کے اندر اس قسم کا پروپیگنڈا کرنے سے نہ چوکتے تھے کہ قائداعظمؒ نے تین جون کا پلان منظور کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ چنانچہ ان کا حوصلہ بلند کرنے اور انہیں صحیح طور پر معاملات سے آگاہ کرنے کے لیے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ کو انہوں نے یونیورسٹی گراونڈ لاہور میں ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کیا۔ ان کی تقریر سننے کے لیے جلسہ گاہ میں لاکھوں افراد موجود تھے جو اپنے محبوب قائد کے ارشادات سننے کے لیے ریڈیوں سیٹوں کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے جلسہ گاہ میں جس جوش اور جذبے کا اظہار کیا اس نے ثابت کر دیا کہ عوام کو اپنے قائد پر پورا اعتماد تھا اور افسردگی اور مایوسی کی جس لہر کا کچھ لوگ جو ذکر کرتے رہتے تھے وہ بالکل معمولی اور عارضی بلکہ لمحاتی تھی۔ قائداعظمؒ نے اپنی تقریر کے دوارن فرمایا۔

"بعض لوگ شاید خیال کرتے ہوں کہ ۳ جون کے پلان کا منظور کر لینا مسلم لیگ کی بہت بڑی غلطی تھی۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ کسی بھی متبادل شے کے مکمل نتائج اتنے تباہ کن ہوتے جن کا اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں، ـــــ وقت اور تاریخ اس چیز کو ثابت کریں گے، دوسری طرف تاریخ ان لوگوں کے متعلق بھی اپنے فیصلہ رقم کرے گی جن کی دھوکہ

بازیوں اور کارستانیوں نے اس برصغیر میں لا قانونیت اور انتشار کی قوتوں کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ جو لاکھوں انسانوں کی موت' املاک کی بے انتہا تباہی اور کروڑوں لوگوں کو اپنے گھروں سے بے گھر کرنے اور اپنے اعزہ و اقارب سے اور اپنی تمام محبوب چیزوں سے جدا کرنے کا باعث ہوئی ہیں۔ دفاع سے محروم اور بے گناہ لوگوں کا منظم طریقے سے کشت و خون تاریخ کے بد ترین جابروں کے انتہائی سفاکانہ کاموں کو بھی مات کرتا ہے ہم ایک بہت گہری اور اچھی طرح تیار کی ہوئی سازش کا جسے دیانتداری' عالی ظرفی اور عزت نفس کے اصولوں کو بری طرح ٹھکرا کر جامعہ عمل پہنایا گیا ہے شکار ہوئے ہیں۔ ہم قدرت کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں بدی کی ان طاقتوں کے خلاف لڑنے کا حوصلہ اور یقین دیا ہے کہ اگر ہم قرآن حکیم سے ہمت اور رہنمائی حاصل کریں تو میں پھر یہی کہوں گا کہ آخری فتح ہماری ہو گی۔"

آگے چل کر آپ نے یوں فرمایا۔

"اس کے ساتھ ہی آپ اپنا حوصلہ بلند رکھیں۔ موت سے نہ ڈریں' ہمارا مذہب ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم ہمیشہ موت کے لیے تیار رہیں' ہمیں پاکستان اور اسلام کی آبرو بچانے کے لیے اس کا بہادری سے سامنا کرنا چاہیے۔ مسلمان کے لیے ایک اعلیٰ مقصد کے لیے شہادت کی موت سے بڑی کر کوئی راہ نجات نہیں۔ اپنا فرض بجا لائیں اور اللہ پر ایمان رکھیں۔ صفحہ زمین پر کوئی طاقت نہیں جو پاکستان کو برباد کر سکے۔ پاکستان قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے۔" ۹

# حوالہ جات


۱۔ ملت کا پاسبان — مصنفہ: پروفیسر کرم حیدری — (دیباچہ)

۲۔ ایضاً — ایضاً — (ابتدائیہ)

۳۔ ڈیلی ٹیلی گراف — ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء

۴۔ Horned Moon By: Stephens. P-108

۵۔ India Wins Freedom By: Maulana Abul Kalam Azad P-207

۶۔ Bangladesh : Background And Pakistan
By: Dr. J.C. Kashen. P-3

۷۔ قائداعظمؒ نے فرمایا — مرتبہ: مشاہدہ بیگم — صفحہ نمبر ۵۲-۵۰

۸۔ ایضاً — ایضاً — صفحہ نمبر ۵۵-۵۳

۹۔ ہفت روزہ "استقلال" — ۲۴ تا ۳۰ مئی ۱۹۸۳ — صفحہ نمبر ۲۲-۲۱

۱۰۔ ملت کا پاسبان — مصنفہ: پروفیسر کرم حیدری — صفحہ نمبر ۳۲۵-۳۲۴

# حضرت قائداعظمؒ ---- سیرت و کردار کے آئینے میں

حضرت قائداعظمؒ دیانت و امانت، شرافت و شجاعت، انسانیت و صداقت کے پیکر عظیم تھے۔ وہ ایثار و قربانی کا ایک اعلیٰ نشان اور اندھیروں کے لیے آفتاب جہاں تاب تھے۔ حضرت قائداعظمؒ آج ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی روح آج بھی مسلمانان پاکستان کے لیے رہنمائی کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ ان کی شمع حیات کی روشنی آج بھی قائم ہے۔ ان کی انسانیت کی خوشبو آج بھی محسوس کی جا رہی ہے۔ ان کی عظیم شخصیت کا پر تو آج بھی ضوفشاں ہے۔

پاکستان ۲۷ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آیا لیکن کیا پاکستان کے معرض وجود میں آ جانے کے وہ تحریک جس نے پاکستان کی تخلیق کی تھی ختم ہو گئی ہے؟ ایسا نہیں ہوا، سچے اور پکے پاکستانیوں کے ازہان و قلوب پر وہ تحریک آج بھی موجزن ہے اور جاری و ساری ہے اور انشاء اللہ قائم و دائم رہے گی۔ قوم کے جن افراد کا حضرت قائداعظمؒ کے ساتھ قلبی اور روحانی رشتہ استوار ہے، وہ آج بھی چلتی پھرتی تحریک پاکستان ہیں۔

مگر ایسے بھی بد باطن پاکستانی ہیں جو تقسیم ہند کو آج بھی انگریز کی سکیم تصور کرتے

ہیں اور اس کا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پرچار بھی کرتے ہیں۔ حضرت قائداعظمؒ پر اس طرح کے الزامات بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کے آلہ کار تھے۔

حضرت قائداعظمؒ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۹۴۴ء کو خطاب کے دوران فرمایا کہ

"آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ معرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کے مطالبہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔" ۱

جو لوگ تقسیم ہند کو انگریزوں کی سکیم قرار دیتے ہیں اور حضرت قائداعظمؒ کو ان کا آلہ کار ٹھہراتے ہیں ان کے خبث باطن کے علاوہ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اس جنگ میں ایک طرف انگریزوں جیسی قوم تھی جس کی سلطنت پر (اس کے زمانے میں) سورج تک غروب نہیں ہوا کرتا تھا دوسری طرف ہندو تھا جس کے پاس برلاؤں اور ٹاٹاؤں کی تجوریاں تھیں۔ جن سنگھ اور راشٹریہ سیوک سنگھ جیسی زمین دوز دہشت پسند تنظیمیں تھیں ان کے مقابلے میں ایک نحیف و نزاد سن رسیدہ شخصیت تھی جس کے پاس نہ دولت کے خزانے تھے نہ لاؤ لشکر، نہ خفیہ تنظیمیں تھیں، نہ پوشیدہ اسلحہ، وہ تنہا بے ساز و براق، چومکھی لڑائی لڑ رہا تھا اس کے پاس ایک ہی قوت بھی کہا جاتا ہے یعنی اپنے نصب العین کے صداقت پر یقین محکم اور اس کے حصول کے لیے پاکیزہ عمل پیہم۔ چونکہ آج ہماری قوم بدقسمتی سے اس تصور ہی سے بے گانہ ہو چکی ہے کہ حسن کردار کی قوت کس قدر بے پناہ ہوتی ہے اور اس سے بے ساز و ساماں کیسے کیسے محیر العقول کارنامے ظہور میں آسکتے ہیں اس لیے وہ سمجھ بھی نہیں سکتے کہ حصول پاکستان کا راز اس معمار پاکستان کے یقین محکم، عزم بلند اور بے لوث کردار میں مضمر ہے۔" ۲

برصغیر میں حضرت قائداعظمؒ نے اپنی پہلی سیاسی تقریر ۱۹۰۶ء میں بمقام کلکتہ فرمائی اس وقت وہ کانگریس میں تھے۔ ۱۹۰۶ء کے اجلاس میں انہوں نے دارا بھائی نورو جی جو کہ مشہور کانگریسی تھے' ان کے سیکرٹری کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس اجلاس میں حضرت قائداعظمؒ سے تقریر فرمائی اور یہ تقریر "وقف علی الاولاد" کے موضوع پر تھی۔ یہ ان کی پہلی تقریر تھی جس سے مسلمانان ہند کے ساتھ ان کی محبت عقیدت اور دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء سے لے کر قیام پاکستان تک قائداعظمؒ کی یہ دلچسپی اور محبت مسلمانان ہند کے ساتھ قائم و دائم رہی۔

حضرت قائداعظمؒ کی سیاست و سیادت کا یہ طرہ امتیاز تھا اور حیرت انگیز سیاسی کارنامہ کہ انہوں نے برصغیر میں ہندو اور انگریز سے چومکھی جنگ اس انداز سے لڑی کہ نہ کوئی شور بپا ہوا' نہ کوئی ہنگامہ ہوا نہ فساد ہوا' نہ گھیراؤ' جلاؤ نہ گڑبڑ' نہ توڑ پھوڑ اور نہ اینٹ پتھر پھینکے گئے۔ انہوں نے آزادی کی جنگ فقط اپنے تدبر و تحمل' فراست و دیانت اور عظمت کردار سے جیتی۔ ان پر اور مسلم لیگ پر اپنوں اور بے گانوں نے تنقید کا نشانہ بھی بنایا لیکن آپ کامل حوصلہ اور جرات و استقامت کے جذبے سے برداشت کرتے رہے۔

جب حضرت قائداعظمؒ ۱۹۴۶ء میں راست اقدام کا فیصلہ صادر فرمایا تو اس پر تبصرہ لکھتے ہوئے کانگریسی اخبار "بلٹز" نے یوں لکھا تھا کہ "مسلم لیگ کے بدترین دشمن نے بھی عظیم انقلابی فیصلہ کیا ہے اس سے ہمارے دلوں میں بے ساختہ یہ آرزو ابھرتی ہے کہ کاش' انڈین نیشنل کانگریس میں جناح جیسے مسلم الثبوت تدبر کا ماہر کوئی اور لیڈر ہوتا' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسٹر جناح کے فیصلے نے انگریز اور کانگریس دونوں کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے اور اس عامیہ الزام کی دھجیاں بکھیر دی ہیں کہ مسلم لیگ برطانوی استعمار کی پروردہ جماعت ہے۔

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے کہ مرحوم

کرامت حسین جعفری صاحب نے ایک بار حضرت قائداعظمؒ کے یوم ولادت کی ایک تقریب میں دوران تقریر فرمایا کہ "جب ہم حصول پاکستان کے لیے جدوجہد کر رہے تھے تو ہمارے پیش نظر کچھ اغراض و مقاصد تھے مگر جب پاکستان حاصل ہو گیا تو دیکھا کہ مقاصد غائب ہو گئے اور اغرض باقی" نتیجہ یہ ہوا کہ نظریے کو برقرار رکھنے والی امت نظریے ہی سے ہٹانے کی سعی کرنے والے خدامان ملت تشریف لانے لگے۔ انہیں اسلام سے دلچسپی ہوتی تو وہ قائداعظمؒ کے بیان کردہ مقاصد کے بخوبی حصول کے لیے بھرپور جدوجہد کرتے موٹی سی بات ہے کہ کسی بھی ارادے کی بنیاد اور اساسی مقاصد سے اگر دلچسپی ہو تو اس ارادے کے موسٔس کی دل میں بڑی عزت و تکریم اور عقیدت ہوتی ہے لیکن یہاں یہ ہوا کہ جو حاکیت کی کرسی پر براجمان ہوا اس نے بھی اور جو ویسے سیاسی حلقوں میں کچھ قدر و قیمت پیدا کر سکا اس نے بھی اپنی ذات کے مجسمے کو قائداعظمؒ کے تصور سے زیادہ خوبصورت پایا اور یہ لوگ مسلسل اس کوشش میں رہے کہ کس طرح حضرت قائداعظمؒ کو گھٹایا اور اپنی ذات کو بڑھایا جائے۔ قائداعظمؒ کے پیش نظر جو کچھ تھا وہ نظریہ تھا' وہ نصب العین تھا مگر قائداعظمؒ کی ملت کے اکابرین سیاست نے اس نظریے کو اس طرح ٹھوس صورت میں دیکھا کہ تقریباً ہر ایک کو اپنا ہی بت نظر آیا اور بعض اوقات یہ ذات پرستی جنون کی حد تک جا پہنچی کہ اہل ہوس ہی مجسمے سے ٹکرا کر دھڑام سے آ رہے' خود بھی ٹوٹ گئے اور مجسمہ بھی پھوٹ گیا۔" ۳

قائداعظمؒ حسن کردار کا مجسمہ' اخوت و قوت و جرات کے پیکر اور محنت و استقلال کا نشان تھے۔ دیانت و امانت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی۔ ان کی ساری زندگی میں اقربا پروری اور خویش پروری کا شائبہ تک نہیں ہو سکا۔ اور یہی کردار کی عظمت کی واضع نشانی ہوتی ہے۔ شیریں بائی جو حضرت قائداعظمؒ کی ہمشیرہ تھیں حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں فرمایا کہ جب حضرت قائداعظمؒ کے لائق بھانجے اکبر پیر بھائی کو مقامی مسلم لیگ کی کسی ذیلی کمیٹی کا چیئرمین بنانے کی تجویز قائداعظمؒ کو پیش کی گئی تو انہوں نے

اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اکبر کی سب سے بڑی نااہلیت یہ ہے کہ وہ میرا رشتہ دار ہے۔"۴۴

ایک ہندو لیڈر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی ایک لہر دوڑ اٹھتی ہے کہ ہندوستان میں مسٹر جناحؒ کی قامت اور دیانت کا کم از کم ایک لیڈر تو ایسا تھا۔ جس میں اس قدر شرافت و صداقت اور بے باکی تھی کہ اس نے انگریز وائسرائے کے منہ پر کہہ دیا کہ وہ اسے کیا سمجھتا ہے جب کہ باقی ہندوستانی لیڈر جن میں کانگریس ہائی کمان کے لیڈر بھی شامل تھے وائسرائے کو بہترین انگلش جینٹل مین اور بہترین عیسائی جینٹل مین جیسے خطابات سے نواز کر اس کی چاپلوسی کر رہے تھے۔

اس تعریف کا پس منظر یہ تھا کہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لطنھگو جو اپنے رعب و دبدبہ کے لیے مشہور تھے' انہوں نے کونسل مقرر کی اور اس میں مسلم لیگی وزراء مولوی فضل الحق اور سر سکندر حیات خان کو بھی شامل کر لیا۔ قائداعظمؒ نے بار کونسل کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور ان دونوں حضرات سے کہا کہ کونسل سے مستعفی ہو جائیں۔ جب وائسرائے کو اس کا علم ہوا تو اس نے قائداعظمؒ کو ملاقات کے لیے بھلا بھیجا۔ ملاقات کے ۱۱ بجے صبح کا وقت مقرر تھا لیکن قائداعظمؒ ٹیلی فون پر بار بار یاد دہانی کے باوجود سوا گیارہ بجے سے پہلے وائسریگل لاج نہ پہنچے۔ وہاں جا کر بغیر کسی معذرت کے وائسرائے سے ملاقات کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو میرے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے' میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور وائسرائے سے یہ کہتے ہوئے کہ "مجھے آپ کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں اور کمرے سے باہر چلے گئے۔۵

حضرت علامہ اقبالؒ کا شعر ہے کہ

زندگی کچھ اور شے ہے، مسلم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے، مسلم ہے سوز دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے، لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

پروفیسر مرزا منور صاحب نے "ابتاہ اقبال" میں لکھتے ہیں۔

"ٹھیک ہے کہ علم کی وساطت سے رزق کے بہتر وسائل میسر آ جاتے ہیں، علم کی وساطت سے بہتر ہتھیار ہاتھ لگ جاتے ہیں، علم کی وساطت سے آرام و آسائش اور گوناگوں لذتوں کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں، لیکن ان سب کچھ کا حاصل ہو جانا کسی کے بہتر انسان ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ عین ممکن ہے کہ ایک ناتربیت یافتہ شخصیت علم کو تن پروری کا ذریعہ بنا کے اپنی تباہی کا سامانا پیدا کر لے۔" ۶

حضرت قائداعظمؒ نے اپنے علم کو جزو جان بنایا، جزو ایمان بنایا اور علم کے حصول کے بعد اپنی زندگی کو علم کے عین تقاضوں کے مطابق ڈھال کر دکھایا۔ انہوں نے اشرف و اعلیٰ انسانی اوصاف کو عملی طور پر اپنی شخصیت پر وارد کیے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سچ کر دکھایا کہ علم وہی علم ہوتا ہے جو دل میں ہوتا ہے جزو جان بنتا ہے اور عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ انہوں نے مادی ہوس، لالچ، حرص اور مطلب برداری کو کبھی اپنے قریب نہیں آنے دیا۔۔۔ اگر وہ مادی ہوس میں مقید تن پرست ہوتے تو انہیں برصغیر میں ہر چیز حاصل ہو سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے انگریزوں اور ہندوؤں پر یہ ثابت کر دیا کہ انہیں خریدا نہیں جا سکتا۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے انہیں کیا کیا لالچ اور چسکا پسند نظارے دکھائے ہوں گے، مگر ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لرزہ پیدا نہ ہوا۔ ان کی شخصیت میں قلب و دانش میں باہمی کوئی آویزش نہیں تھی۔ ان کا مزاج مجتمع اور ٹھوس تھا۔ ان کی شخصیت تجریدیت کا شکار نہیں تھی، چنانچہ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں بھی سرخرو تھے اور اپنی ملت کے افراد کی

نظروں میں بھی صاحب قدر و قیمت تھے۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ اور اپنے حلقے کے افراد کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا' ایک ایک ریکارڈ ہے کہ انہوں نے تقریباً ۳۹ سال باقاعدہ بمبئی کے حلقے کے مرکزی مجلس قانون ساز میں اپنے علاقے کے افراد کی حق نمائندگی بطریق احسن انجام دی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

ان کا قلب روشن تھا ان کی شخصیت اخلاص و ہمدردی' قلب سلیم خیر گسترانہ نیت اور مومنانہ شان و شوکت سے مزین تھی۔ لہٰذا ان کی آنکھوں سے تاثیر کی شعاعیں پھوٹتی رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حق و صداقت کی سیاست کی بنیاد رکھی۔

ایچ۔ وی ہوڈسن جس نے "گریٹ ڈیوائڈ"

نامی کتاب اس لیے لکھی تھی کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے کردار کو اجاگر کرنا چاہتا تھا' اپنی اس تصنیف میں قائداعظمؒ کے خلاف اپنے تعصب کو چھپانے میں ناکام رہا' لیکن اس کے باوجود وہ قائداعظمؒ کے بارے میں لکھتا ہے۔ "ہندوستان کے آزادی کے نئے جنم کے آخری ڈرامہ میں تمام شخصیتوں سے زیادہ پراسرار اور اہم شخصیت محمد علی جناح" کی ہے انسان اس ڈرامے کو بڑے کرداروں میں (گاندھی کو شمار کیے بغیر سٹیج کے بازوؤں سے صرف دھماکہ خیز اور نامکمل انداز میں آتا ہے) ہر کردار کی جگہ کسی دوسرے کردار مثلاً کسی مختلف کانگریسی رہنما کا کسی دوسرے بڑے صوبہ یا بڑی ریاست کے فلاں یا فلاں مفاد یا فرقے کے کسی اور نمائندے کا بلکہ کسی دوسرے وائسرائے کا بھی' بغیر اس خیال کے کہ اس سے آخری صورت حال میں کوئی شدید فرق پڑ سکتا۔ تصور کر سکتا ہے' لیکن یہ بات مشکل ہے تصور میں لائی جا سکتی ہے' وہ واقعات میں کوئی اہم تبدیلی واقع ہو سکتی' یا آخری معرکہ ٹھن کی دو ہم پلہ حریفوں میں ہوتا' یا

پاکستان کی نئی ریاست کی تخلیق ہو سکتی' اگر مسٹر جناح کی شخصیت اور سیاسی رہنمائی کا قدم درمیان نہ ہوتا"۔۔۔ آگے چل کر ہوڈسن مزید لکھتا ہے' کہ "ایک بات یقینی ہے' وہ (جناح) کسی پست مقصد کے لیے نہیں بلکہ ان کے بدترین سیاسی حریفوں نے بھی ان پر بددیانتی یا ذاتی مطلب برادری کا الزام کبھی نہیں لگایا۔ انہیں کوئی شخص بھی کسی قیمت پر خرید نہ سکتا تھا۔ نہ وہ ذرہ برابر بھی ہوا کہ رخ پر چلنے والے مرغ باد نما تھے۔ جو عوامی ہر دلعزیزی کی ہوا میں ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہو' با وقتی مواقع سے فائدہ اٹھانے والے تھے۔ وہ ایک ثابت قدم' نظریہ پسند' اور نہایت محتاط انا پسند تھے۔" ۷

دراصل برصغیر پاکستان و بھارت کی تقسیم نہ کانگریس چاہتی تھی اور نہ ہی برطانوی حکومت' لیکن حضرت قائداعظمؒ کی پرخلوص' ولولہ انگیز' راسخ العقیدہ اور پرعزم قیادت نے برصغیر کی تقسیم کو بالکل ممکن بنا دیا تھا' حضرت قائداعظمؒ فرمایا کرتے تھے' کہ "ناکامی کا لفظ میری لغت میں ہے ہی نہیں"'۔۔۔ پاک بحریہ کے پہلے کمانڈر ایڈمرل جیفرڈ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ "وہ (حضرت قائداعظمؒ) یقیناً بہت بڑے انسان تھے۔ انہوں نے کبھی عوام کے جذبات سے کھیل کر اپنا مطلب نکلانے کی کوشش نہ کی۔ لیاقت علی خان کی طرح وہ دوسروں سے جلد بے تکلف نہ ہو سکتے تھے۔ خوشلدیوں سے انہیں نفرت تھی"'۔۔۔ مائیکل بریچر نے لکھا ہے کہ جواہر لال نہرو نے مارچ ۱۹۳۷ء میں اعلان کیا' "آج ہند میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ برطانوی سامراج اور انڈین نیشنلزم جس کی نمائندگی کانگریس کرتی ہے۔" ۸

حضرت قائداعظمؒ نے فوراً ٹوکا اور گرجدار لہجے میں کہا کہ "ایک تیسرا فریق بھی ہے۔ جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ مسلمان ہیں۔"

سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی نے اپنی کتاب "ظہور پاکستان" میں لکھا ہے کہ "مسلمانوں کو مساوی مواقع دینے سے انکار کر دیا گیا' اور انتظامیہ میں انہیں کماحقہ' حصہ سے محروم کر دیا گیا' جن سرکاری اداروں کے اخراجات تمام ٹیکس گزار ادا کرتے

تھے' ان میں ہندو راج اور ہندو ثقافت کے مظاہر اور عادات اختیار کر لیے گئے۔ تعلیم کے لیے ودیا مندر کھولے گئے سکولوں میں روزانہ پڑھائی کا آغاز کانگریس کے ترنگے کو سلامی دینے اور ایک بدنام زمانہ مسلم دشمن گیت "بندے ماترم" کے گانے اور پوجا یا گاندھی کی تصویر کی پرستش سے ہوتا تھا' مسلمان ایسے معمولات سے گہری نفرت کرتے تھے۔ اردو کو سرکاری سرپرستی ملی' گاندھی نے یہ موقف اختیار کیا کہ اردو چونکہ قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے' اس لیے یہ مسلمانوں کے مذہبی زبان ہے' اور ہندو' ہندوستانی ہی ہند کی قومی زبان ہے' آخر میں ہندوستانی کا لفظ بھی ترک کر دیا گیا' اور ہندی کے ی قومی زبان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔" ۹

ایف۔ کے درانی کی کتاب "دی میننگ آف پاکستان" کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کس قدر بعد اور تضاد کار فرما تھا۔ دارنی صاحب نے سرعبدالرحیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہم مسلمان خواہ افغانستان یا ترکستان کسی بھی ملک کے مسلمانوں کے ہاں جائیں۔ بہت جلد آپ میں گھل مل جاتے ہیں' کیونکہ اخلاق و آداب ایک جیسے' نقطہ نظر' ساز و سامان' اور نام بھی ایک جیسے' لیکن اپنے ہی شہر میں مسلمانوں کے محلے اور ہندوؤں کے محلے میں اگرچہ ایک سڑک کا فاصلہ موجود ہے' ذرا سڑک عبور کریں تو دنیا ہی نئی دکھائی دینے لگتی ہے۔ نام جدا ہوں گے' سامان خانہ داری بھی جدا ہو گا' سلام و نماز کے آداب بھی مختلف ہوں گے اور زندگی کے بارے میں نظریات بھی مختلف ہوں گے۔"

انتہائی طویل عرصے سے مسلمان اور ہندو بحیثیت دو اقوام کے برصغیر میں رہائش پذیر رہے' لیکن وہ دریا کے دو ایسے کناروں کی طرح رہے' جو کبھی آپس میں ہم آہنگ نہ ہو سکیں' پاکستان کا وجود اسی تضاد' اختلاف اور بعد پر قائم ہوا۔۔۔ یہ حالات قائداعظمؒ کی سیاسی بصیرت اور امانتدار قیادت ہی تھی' جس نے لحہ بہ لحہ پاکستان کی تخلیق و تشکیل کے لیے راستے ہموار کیے۔ پاکستان کے حصول کے مراحل آسان

بنائے۔ کیونکہ وہ نہ جھکنے والے تھے اور نہ بکنے والے۔

"قائداعظمؒ کو ہندو پریس اور ہندو مصنفین نے علیحدگی پسند' ہندوستانی قومیت کا دشمن' ہندوستان کی آزادی کا مخالف' فرقہ پرست' انگریز کا ایجنٹ اور کیا کچھ نہیں کہا' لیکن تمام غیر جانب دار سیاسی مبصرین اور خود انگریز اہل قلم اور سیاستدان اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ قائداعظمؒ کو ہندوستان کی آزادی کا مخالف اور انگریز کا ایجنٹ کہنا انتہائی بدنیتی اور بددیانتی ہے' ان کے سیاسی حریفوں نے جن میں مسٹر گاندھی سب سے بلند و بالا ہیں اور ان کے ساتھ سیاسی اختلاف کو ذاتی دشمنی کی حد تک پہنچانے والے ماؤنٹ بیٹن نے بھی اعتراف کیا ہے کہ قائداعظمؒ ہندوستان کی آزادی کے مخالف تھے نہ انگریز کی اشارے میں چلنے والے اور نہ کسی قیمت پر بکنے والے تھے' ماؤنٹ بیٹن نے تھوڑا ہی عرصہ ہوا بی بی سی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظمؒ کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس میں ہمیں قائداعظمؒ کی عظمت کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے' انہوں نے کہا تھا کہ جناح کی شخصیت بڑی نمایاں اور ممتاز تھی' پہاڑ کی طرح وہ اپنے مقام پر مستحکم اور سخت تھے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے' میرے لیے ممکن ہی نہ تھا' کہ میں اس کے دلی جذبات اور خیالات بھانپ سکوں' اور اس کے سینے کی گہرائیوں میں اتر سکوں۔ وہ علم نفسیات کا ماہر اور نہایت ہی عقلمند سیاستدان تھا' ذہین اور فطین' انگریزی زبان پر کامل اور مکمل عبور رکھنے والا تھا' وہ میرے دلائل کو آسانی سے سمجھ جاتا تھا۔ نہرو اور گاندھی بھی انگریزی میں اچھے تھے' لیکن جس روانی کے ساتھ جناح انگریزی زبان پر حاوی تھا' وہ اس کے عشر عشیر بھی نہیں تھے۔" ۱۰

یہ تھے وہ اوصاف اور خصوصیات' اور یہ تھا وہ مقام اور درجہ' جو اس عظیم انسان کو خدا تعالیٰ نے ودیعت کیا تھا' انہوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی ان کی عظمت و استقامت' جاہ و جلال اور دیانت و امانت کا اعتراف کیا۔

جب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار داد پاکستان' لاہور شہر کے منٹو پارک موجودہ' "یاد گار پاکستان" میں منظور ہوئی' تو اس عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ نے اپنی تقریر کے دوران جس بنیادی نظریہ کی تصریح و توضیح پیش کی- وہ انتہائی اہمیت کا مالک ہے- آپ نے فرمایا-

"اس بات کو غلطی سے ہمیشہ مان لیا گیا ہے- کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں مسلمان ہرگز ایک اقلیت نہیں- مسلمان ہر لحاظ سے ایک قوم ہیں- ہند میں ایک وحدانی حکومت ڈیڑھ سو برس میں جو کچھ حاصل نہ کر سکی- ایک مرکزی وفاقی حکومت کو سونپنے سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے- الا یہ کہ مسلح افواج کے ذریعے سے اسے حاصل کیا جائے- ہند کے مسئلے کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں ہے' بلکہ یہ ایک بین الاقوامی نوعیت کا مسئلہ ہے' اور اسی حیثیت سے ہندو اور مسلمانوں کا تعلق ... دو مختلف تہذیبوں سے ہے- جن کی بنیاد باہمہ گر متصادم خیالات اور نظریات پر ہے' ایسی اقوام کو ایک واحد مملکت کا حلقہ بگوش بنانے سے جس میں ایک قوم آبادی کے لحاظ سے اقلیت میں ہوا اور دوسری اکثریت میں' لازماً بے چینی اور کش مکش میں اضافہ ہو گا' اور بالآخر وہ ڈھانچہ ہی تباہ ہو جائے گا' جسے ایک ایسی مملکت کی حکومت کے لیے معرض وجود میں لایا گیا ہو گا-"

یہ تھا وہ بنیادی تصور جس نے برصغیر کی تقسیم کو ناگزیر ثابت کیا' اور مسلمانانِ ہند لحہ بہ لحہ اپنی منزل کی طرف گامزن رہے' دراصل پاکستان اسلام کا قلعہ بن کر ابھرا' وہ اسلام جو تمام بنی نوع انسانی کے لیے ایک ازلی و ابدی پیغام اور چیلنج ہے- جس کی بنیاد ہی فلسفہ ندائے وحدہ لاشریک پر کامل ایقان و ایمان پر رکھی گئی ہے- ایک مغربی مصنف ایل گرانٹ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "پوری دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے' جو اسلام سے بڑھ کر توحید پرست ہو' خدا کی خالص و حدانیت ایک ایسا عقیدہ ہے- جس کے گرد پورا مذہب اسلام گھومتا ہے' اور اپنے آپ کو دوسرے مذاہب کی توہم پرستی

اور شرک کے خلاف نہایت نمایاں اور شدید رد عمل کے طور پر پیش کرتا ہے۔"

لیکن وہ پاکستان جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا' جس کے حصول کے لیے لاکھوں جانیں قربان کی گئیں۔ وہ پاکستان جو ہمیں اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے وہ پاکستان جو حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے تخیل کا شاہکار ہے۔ وہ پاکستان جو حضرت قائداعظمؒ کا نور نظر اور جگر پارہ ہے۔ ہم نے اپنی آپا دھاپی میں پاکستان کے بنیادی فلسفہ سالمیت و استحکام کو یکسر فراموش کر رکھا ہے۔ حضرت قائداعظمؒ نے ہمیں ایک خطہ زمین حاصل کر کے دیا تھا' جو خدائے لم یزل کا تحفہ لازوال ہے۔ ہم نے اس کی سالمیت و استحکام آزادی و خود مختاری اور اس کے عروج و کمال کے لیے کیا کچھ فرائض انجام دیئے ہیں' یہ پاکستان قوم کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ ہم نے زندگی کی ہر سہولت' ہر نعمت اور ہر آسائش پاکستان کی بدولت حاصل کیا' لیکن اس ملک کی تعمیر و ترقی میں کتنا انفرادی طور پر حصہ ادا کیا ہے' شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

کرنل الٰہی بخش نے اپنی کتاب "قائداعظمؒ کے آخری دو سال" میں لکھا ہے کہ "جب مجھ سے قائداعظمؒ نے یہ بات کہی کہ " دیکھو ڈاکٹر صاحب میرا مشن اب مکمل ہو گیا ہے۔ اب مجھے زندہ رہنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اب پاکستان بن گیا ہے' اس کے استحکام کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔" تو میں سمجھ گیا کہ وہ طاقت جس نے قائداعظمؒ کو زندہ رکھا ہوا تھا' ان کے مشن کی تکمیل کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے۔ لہٰذا اب وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکیں گے۔"

حضرت قائداعظمؒ کی سیرت و کردار کے ضمن میں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اصولوں کی نگہ داری اور پاسداری کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ آئینی اور شہری حقوق کے کتنے زبردست آئینہ دار تھے' اپنے ان اصولوں کی وجہ سے انہوں نے اپنوں غیروں سے داد تحسین حاصل کیا' چنانچہ شریف المجاہد لکھتے ہیں کہ "آئینی تقدس اور رکھ رکھاؤ کے لیے جناح کے جوش و جذبے اور شہری حقوق کے تقدس کے لیے ان کے احترام کی کوئی

حد نہ تھی۔ ان کے امور کے سلسلے میں وہ کسی بھی رکاوٹ اور مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور نہ کسی سے امتیاز برتتے' یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ان معاملات میں ان کے مخالفین بھی کسی طرح سے متاثر ہوتے' وہ سینہ سپر ہو کر ان کی حمایت کے لیے میدان میں آ جاتے اور پھر وہ اتنی شدو مد سے ان کی حمایت کرتے جیسے خود ان کے کسی حامی یا پیروکار کو سزا دی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بغیر مقدمہ چلائے و لبھ بھائی پٹیل کی گرفتاری (۱۹۳۰ء)" اور سرت چندر بوس کی گرفتاری (۱۹۳۵ء) پر اسی طرح شد و مد سے بے دریغ احتجاج کیا جس طرح انہوں نے علی برادران کی گرفتاری (۱۹۱۴ء) اور مسز اینی بسیت کی گرفتاری (۱۹۱۷ء) کی مزاحمت کی اور مخالفت کی تھی۔

ان مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کا انداز فکر کتنا آزادانہ تھا۔ اصول کی پاسداری میں وہ کسی جرات سے کام لیتے تھے۔ قانون کا کس قدر احترام کرتے تھے اور جب کبھی آئینی یا شہری حقوق کو پامال کیا جاتا تو اس پر وہ کسی طرح چراغ پا ہو جاتے تھے۔ ان کی اس جرات اور بے باکی کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ ہمیشہ حق کی حمایت کرتے تھے۔ یہ ان کی شخصیت کا ایسا روشن پہلو ہے جس کی تصدیق اور اعتراف ان کے سیاسی حریفوں نے بھی اکثر کیا ہے۔

ان تمام خوبیوں کی وجہ سے اسمبلی چیمبر کے اندر اور باہر ان کے بہت مداح پیدا ہو گئے تھے ان مداحوں میں جواہر لال نہرو کے والد پنڈت موتی لال نہرو (۱۸۶۱ء تا ۱۹۳۱ء) بھی شامل تھے۔ اس صدی کے چوتھے عشرے کے آواخر میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ایک رکن سر فریڈرک ارنسٹ جیمز نے ایک مرتبہ کہا تھا "میں جناح کی منفرد پارلیمانی خوبیوں کا بڑا مداح ہوں سیاست کے رمز شناس کی حیثیت سے ان کا ثانی تلاش کرنا مشکل ہے۔"[۱۲]

# حوالہ جات


۱۔ قائداعظمؒ کا پیغام — مرتبہ : سید قاسم محمود — صفحہ نمبر ۵۲

۲۔ حسن کردار کا نقش تابندہ — از غلام احمد پرویز — صفحہ نمبر ۴

۳۔ قائداعظمؒ کا جانشین کون؟ — تحریر : پروفیسر محمد منور مرزا' نوائے وقت' ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء

۴۔ "جنگ" روز نامہ کراچی — ۹ جولائی ۱۹۷۲ء

۵۔ حسن کردار کا نقش تابندہ — از غلام احمد پرویز — صفحہ نمبر ۲۸

۶۔ ایستان اقبال — مصنفہ : پروفیسر محمد منور مرزا — صفحہ نمبر ۱۲

۷۔ The Great Divide- By: H.V. Hodson. P-37-38

۸۔ نہرو۔ ایک سیاسی یادداشت — صفحہ نمبر ۳۰

۹۔ ظہور پاکستان — مصنفہ : چوہدری محمد علی — صفحہ نمبر ۴۶-۴۵

۱۰۔ ملت کا پاسبان — مصنفہ : پروفیسر کرم حیدری — (دیباچہ)

۱۱۔ ارتقاء — مصنفہ : ایلن گرانٹ — صفحہ نمبر ۲۹۰

۱۲۔ قائداعظمؒ۔ حیات و خدمات — مصنفہ : شریف المجاہد' ترجمہ۔ خواجہ رضی حیدر صفحہ نمبر ۳۲-۳۳

# حضرت قائداعظمؒ اور دیانت دار سیاست

میں نے ایک مرتبہ چند احباب کی ایک مجلس میں حضرت قائداعظمؒ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ میرے سیاسی عقیدے کی رو سے حضرت قائداعظمؒ سیرت و کردار کے باب میں اولیائے کرام جیسی صفات کے مالک تھے تو ان حضرات میں سے ایک اچھے خاصے دانشور نے یہ فرمایا کہ ہمیں اس فلسفے کی آج تک سمجھ نہیں آئی کہ تم لوگ ایک انسان کو بڑھا چڑھا کر اولیاء کرام کے درجے پر کیوں لے آتے ہو۔ انسان کو انسان ہی رہنے دیا جانا چاہیے۔ میری تمام تر ضروری استدلال اور اہم منطق کے باوصف انہوں نے یہی فرمایا کہ تم جیسے لوگ ناقابل علاج ہیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت قائداعظمؒ کی تمام تر زندگی کو جس زاویے، جس نہج اور جس انداز سے بھی پرکھیں، تجزیہ کریں یا مطالعہ کریں تو جو بھی نتیجہ برآمد ہو وہ ایک ہی محور اور ایک ہی مرکز کی ترجمانی کرے گا اور وہ مرکز و منبع اور محور ہے خدا تعالیٰ کی ذات پر قائداعظمؒ کا غیر متزلزل ایمان و ایقان اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس سے بھرپور عقیدت۔ اس کا یقینی اور کوئی حتمی سبب ضرور ہے۔ حضرت قائداعظمؒ کو خدا تعالیٰ نے بچپن سے ہی ایک خاص مقصد عظیم کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے بیسویں صدی میں دینائے سیاست میں ان سے بڑا انسان پیدا نہیں کیا جس نے تخلیق پاکستان کو

بیسویں صدی کے بہت بڑے سیاسی کارنامے اور معجزے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

حضرت قائداعظمؒ کا گھرانہ کوئی مذہبی یا دینی گھرانہ نہ تھا انھوں نے تعلیم بھی دینی انداز میں حاصل نہیں کی تھی لیکن مسلمان ہونے کے ناطے دین اسلام سے ان کی جذباتی محبت اور عقیدت نے بعد میں آنے والے حالات سے ثابت کیا کہ وہ پکے اور سچے مرد مومن تھے۔ پروفیسر کرم حیدری لکھتے ہیں۔

"جب وہ مسلمانوں کے عظیم ترین لیڈر کی حیثیت میں آگے آئے تو دین کی طرف ان کی توجہ اور شعائر دین کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی میں بے انتہا اضافہ ہوا۔ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی نے جو برصغیر کے علمائے کرام میں بہت بلند مقام کے مالک تھے مسلمانوں کے سیاسی حالات کی طرف بری گہری نگاہ سے توجہ فرمائی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود صرف اسی جماعت کے ہاتھوں ممکن ہے جو مسلمانوں پر مشتمل ہو ایسی سیاسی جماعت جس میں غالب اکثریت غیر مسلموں کی ہو جائے' چاہے کتنی اچھی ہو مسلمانوں کی سربلندی کے لیے کام نہیں کرے گی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۳۸ء میں مولانا شبیر علی مہتمم خانقاہ امواویہ کو بلایا اور ان سے کہا "میاں شبیر علی ! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور ہمیں جو سلطنت ملے گی وہ انہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے رہی لہٰذا ہم کو کوشش کرنا چاہیے کہ یہی لوگ دیندار بن جائیں' اگر تمہاری کوشش سے یہ لوگ دیندار اور دیانت دار بن گئے اور پھر سلطنت انہی کے ہاتھ میں رہی تو چشم ما روشن دل ماشاد ہم خود سلطنت کے طالب نہیں ہم کو تو صرف مقصود ہے کہ جو سلطنت قائم ہو وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور بس ---- تاکہ

اللہ کے دین کا بول بالا ہو۔"۱

اپنے اسی موقف کے تحت مولانا تھانوی نے دسمبر ۱۹۳۸ء میں جب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہو رہا تھا علماء کا ایک تبلیغی وفد تیار کر کے قائدین مسلم لیگ کے پاس پہنچا اس وفد میں مولانا شبیر علی تھانوی مولانا ظفر احمد عثمانی' مولانا عبدالجبار ابوہری' مولانا عبدالغنی پھول پوری اور مولانا معظم حسین امروہوی شامل تھے جب کہ رئیس وف مولانا مرتضیٰ احمد چاند پوری تھے۔ قائداعظمؒ عبد العزیز صاحب بیرسٹر کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے وہیں شام کے پانچ بجے وفد نے ان سے ملاقات کی جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی' منجملہ دوسرے امور کے وفد کی طرف سے قائداعظمؒ کو نماز پڑھنے کی تبلیغ کی گئی قائداعظمؒ نے فرمایا۔

"میں گناہ گار ہوں' خطا وار ہوں' آپ کو حق ہے کہ مجھ سے کہیں' میرا فرض ہے کہ میں سنوں۔ آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھا کروں گا۔"۲

حضرت قائداعظمؒ نے اپنے حق میں صفائی کی دلیل دینے کی بجائے عظیم حوصلے کے ساتھ اپنی کمی کو تسلیم کیا اور پھر اس کمی کو دور کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ یہ قلب و نظر کی وسعت اور طبیعت کی کشادگی تھی جس اعلیٰ ظرفی کا یہ معمولی سا واقعہ ہے۔

پروفیسر کرم حیدری لکھتے ہیں کہ

"قائداعظمؒ ابھی چودہ برس کے تھے کہ ان کی شادی اپنے آبائی گاؤں میں ہو گئی تھی اس کے بعد وہ انگلستان گئے اور سولہ سے بیس سال کی عمر تک کا زمانہ وہاں گزارا عمر کا یہ زمانہ بے راہروی کا ہوتا ہے اور ایک آزاد ماحول ہو اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہو تو بے راہروی کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں مگر انگلستان میں ان کے قیام کا زمانہ انتہائی پاکیزہ گزرا۔ واپسی

پر تین برس تک وہ مالی مشکلات کی دلدل میں پھنسے رہے لیکن اس کے بعد ان کی آسودگی کا دور شروع ہوا۔ شخصی طور پر وہ بہت وجیہہ، خوش پوش، خوش گفتار اور خوش رفتار تھے اور اعلی سوسائٹی کے بے شمار حسین اور جمیل رئیس زادیاں ان سے وابستہ ہونے کی آرزو مند بھی تھیں مگر ۱۸۹۶ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک بائیس سال کی تجرد کی زندگی میں قائداعظمؒ کے کردار کو کہیں کوئی داغ نہیں لگا۔" ۳

محترمہ فاطمہ جناح اپنی کتاب "میرا بھائی" میں قائداعظمؒ کے بچپن کا حوالہ دے کر تحریر فرماتی ہیں۔

محمد علی اپنے گھوڑوں سے پیار کرتے تھے جو گردنیں تان کر سیدھے کھڑے ہوتے تھے اور طاقت اور خود اعتمادی کے مظہر ہوا کرتے تھے انہوں نے دیکھا کہ فطرت کے قاعدے کے تحت زندگی ہمیشہ عمودی خطوط پر استوار ہوتی ہے گھوڑے سیدھے اور تن کر کھڑے ہوتے ہیں درختوں کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ شاخوں پر پھول عموداً کھلتے ہیں انسان سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے اسی طرح پرندے اور درندے بھی۔ گنبد اور مینار آسمان کو چھو لینے کی تمنا کرتے ہیں۔ انہوں نے زندگی میں اصول بنا لیا کہ وہ نہ صرف سامنے دیکھیں گے بلکہ اپنے سر کو بھی بلند رکھیں گے وہ مشکلات کے آگے نہیں جھکیں گے بلکہ ان کا چیلنج قبول کر کے ان پر قابو پا لینے کی جدوجہد کریں گے وہ صنوبر کے اونچے درخت کی مانند بنیں گے کہ طوفان جسے چھو سکتے ہیں مگر جھکا نہیں سکتے۔" ۴

یہی تھے وہ قائداعظمؒ جنہوں نے میدان سیاست میں قدم اسی استقلال، اسی مستقل مزاجی اور اسی طرح سینہ تان کر رکھا، جرات و استقامت کا ہی نتیجہ تھا کہ رولٹ ایکٹ کے ضمن میں یہ فرمایا تھا۔

رسوائے عالم رولٹ کمیٹی کے "سٹار چیمبر" میں وضع کیے ہوئے قوانین جن پر لارڈ چیمسفورڈ کی حکومت نے عمل در آمد شروع کیا ہے ایسے ہیبت ناک جرائم پر منتج ہوئے ہیں جن کو نہ تو کوئی آدمی بیان کر سکتا ہے اور نہ عورتوں کے اشکوں کی روانی دھو سکتی ہے انہیں اپنے اس فیصلے کی قیمت آج نہیں تو کل ضرور ادا کرنی پڑے گی کم از کم ایک بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ موجودہ طرز حکومت ناقابل برداشت ہے اور اس کی جگہ ایک مکمل ذمہ دار حکومت ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں کانگریس اور لیگ کے اجلاس زیادہ موثر نہیں ہوں گے سیکرٹری آف سٹیٹ کو احتجاجی ریزولیشن بھیجنے کے بجائے کوئی موثر لائحہ عمل وضع کرنا ہو گا یقیناً ہمیں وہی ذرائع اختیار کرنے پڑے گے جو فرانس، اٹلی اور مصر میں بروئے کار لائے گئے ہیں۔"

یہ تھے وہ خیالات و نظریات جو قائداعظمؒ کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے اور انہیں تصورات کو انہوں نے بچپن سے ہی اپنے قلب و جگر میں سمو رکھا تھا چنانچہ گوکھلے کو یہ کہنا پڑا کہ ہندوستان کو جب کبھی بھی آزادی کا حصول ہوا تو وہ فقط جناح کی وجہ سے ہی ہو گا۔ اس کا حتمی سبب یہ تھا کہ حضرت قائداعظمؒ کو خدائے وحدہ لاشریک کی ذات پر غیر متزلزل یقین، عقیدے کی پختگی اور اپنے موقف کی صداقت پر کامل ایمان تھا ان کی ذات میں وحدانیت کے تصور نے انہیں ہمیشہ اونچا رکھا اور ان کا سر سوائے باری تعالیٰ کے حضور کسی کے سامنے نہ جھکا۔ چنانچہ انہوں نے برصغیر میں امانت دارانہ اور دیانت دارانہ سیاست کی داغ بیل ڈالی۔

مسٹر جناح کے اس بے لوث کردار کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں ان کا کس قدر احترام تھا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگ سکتا ہے، وہ کانگریس سے الگ ہو چکے تھے اور اس کے مسلک کے خلاف تھے اس دوران میں وہ مرکزی کونسل کی رکنیت کے لیے آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے۔ ان کا مدمقابل کانگریس کا امیدوار تھا" بمبئی کرانیکل" چوٹی کا نیشنل روزنامہ تھا لیکن اس کے باوجود اس نے ووٹوں سے مسٹر جناح

کے حق میں اپیل کی اور کہا کہ!

''ان کی گذشتہ عظیم الشان خدمات' سچی حب الوطنی اور جذبہ حریت ایسی صفات ہیں جو نہ تو کسی سفارش کی محتاج ہیں اور نہ کوئی شخص ان کی عظمت کو کم کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔ علاوہ بریں جناح کے ناقابل تسخیر جذبہ جہاد نے باقی شہریوں کے مقابلہ میں انہیں بہت بڑا امتیازی مقام عطا کر دیا ہے۔ اگر معمولی اختلاف کی بنا پر جناح جیسے قائد کو ملکی خدمات اور قومی جدوجہد کر اس منصب سے محروم کر دیا گیا تو یہ ایک ناقابل فراموش ذلت کا ارتکاب ہو گا۔ قائداعظمؒ نے کوئی انتخابی مہم شروع نہ کی لیکن ان کے ہندو دوستوں نے از خود قریب ایک سو موٹریں فراہم کر دیں اور وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔'' ۴

حضرت قائداعظمؒ کی دیانت دارانہ سیاست کے بارے میں مسٹر اصفہانی نے اپنی کتاب

میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے کلکتہ کے مسلم چیمبرز آف کامرس کی ایک نشست خالی ہوئی اس کے لیے مسٹر اصفہانی بطور مسلم لیگی امیدوار کھڑے ہوئے انتخاب بلا مقابلہ ہو رہا تھا کہ تاریخ نامزدگی سے دو دن پہلے بالکل خلاف توقع ایک اور صاحب نے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے۔ اس زمانے کے انتخاب کے معنی محض ایک آدھ نشست حاصل کر لینا نہیں تھا اس سے مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کا ثبوت بہم پہنچتا تھا اس لحاظ سے فریق مقابل کا سامنے آ جانا وجہ پریشانی ہو گیا' ایک شام مرحوم عبدالرحمان صدیقی بھاگے بھاگے آئے اور اصفہانی صاحب کو یہ مژدہ سنایا کہ انہوں نے فریق مخالف کو اس پر رضامند کر لیا ہے کہ اگر ہم اس کی زر ضمانت کا مبلغ اڑھائی سو روپیہ ادا کر دیں تو وہ مقابلہ سے دستبردار

ہو جائے گا ہم اس سے بہت خوش ہوئے۔ قائداعظمؒ ہم سے ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے ان کے کان میں بھنک سی پڑی تو انہوں نے صدیقی صاحب سے کہا کہ ذرا اپنی بات دھرائیں۔ انہوں نے بات سنائی تو قائداعظمؒ نے سخت برافروختہ ہو کر کہا کہ ""تم نے کیا کہا ہے؟ پیسے دے کر فریق مخالف کو بٹھا دیں یہ بالواسطہ رشوت نہیں تو اور کیا ہے ایسا کبھی نہیں ہو گا جاؤ اور اس سے کہو کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔اس کے ساتھ ہی قائداعظمؒ نے جو اصول بیان فرمایا وہ سننے کے قابل ہے دور حاضرہ کی میکیاولی سیاست میں اخلاق کے دو ضابطے ہیں پرائیویٹ زندگی کے لیے اور ضابطہ' پبلک زندگی کے لیے اور ضابطہ' پروفیسر جوڑ کے الفاظ میں "دور حاضرہ کی سیاست میں پرائیویٹ زندگی کے اخلاق کا ضابطہ کچھ اور ہے اور امور مملکت کے لیے ضابطہ کچھ اور۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنی نجی زندگی میں دیانت دار رحم دل اور قابل اعتماد ہیں ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ جب انہیں اپنی مملکت کے نمائندہ کی حیثیت سے دوسری مملکت کے نمائندوں سے معاملہ کرنا ہو تو وہاں وہ سب کچھ کر گزرنا کار ثواب سمجھیں گے جسے وہ اپنی نجی زندگی میں نہایت شرمناک تصور کرتے ہیں۔

لیکن قائداعظمؒ جس سیاست و سیادت کے قائل اور امانت دار تھے وہ میکیاولی کی سیاست سے مختلف تھی چنانچہ انہوں نے اصفہانی صاحب کو فرمایا کہ

" میرے عزیزو! یاد رکھو پبلک زندگی اخلاقی دیانت پرائیویٹ زندگی سے بھی زیادہ اہم ہے - پرائیویٹ زندگی میں بددیانتی سے کسی ایک شخص کو نقصان پہنچتا ہے لیکن پبلک زندگی میں لاتعداد لوگ مجروح ہوتے ہیں اور اس سے ہزار ہا ایسے لوگ بے راہرو ہو جاتے ہیں جن کا آپ پر اعتماد ہوتا ہے "۔

اصفہانی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کہا کرتے ہیں وہ کسی طور پر بھی میری عزت افزائی نہیں

کرتے ۔ دیانتدار ہونا انسانیت کا تقاضا ہے اور انسانی تقاضے کو پورا کرنے پر تعریف کیسی ؟ بالفاظ دیگر جو دیانتدار نہیں وہ انسان نہیں ۔

حضرت قائداعظمؒ کی زندگی کا ہر پہلو سے مطالعہ ' اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے بچپن سے جوانی تک اور پھر جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اپنی تمام تر صلاحیتوں ' قابلیتوں اور قوتوں کو کس طرح پابند ضوابط رکھا کہ ان کی زندگی میں کہیں بھی ذرا سا جھول نظر نہیں آتا ' وگرنہ عام انسانی زندگی میں کئی طرح کی عوارض ' کئی طرح کے غلط اطوار در آتے ہیں اور انسان اندھیرے اجالے میں کئی طرح سے برتاؤ کو اختیار کرلیتا ہے ۔ لیکن کمال ہے کہ قائداعظمؒ کی سیرت و کردار ' ان کی شخصیت ' ان کی ازدواجی زندگی ' ان کی مجلسی زندگی ' ان کی سیاسی زندگی ' ان کی قومی زندگی ' ان کا ظاہر و باطن ' ان کی چال ڈھال ' ان کی عادات و اطوار ' ان کے نظریات ان کی تقاریر و خطابات ' ان کی پسند و ناپسند ' ان کا لباس و رہائش ' سب مثالی ' اعلیٰ ' شستہ ' نکھرا نکھرا ' پاکیزہ پاکیزہ اور بالکل واضح جس میں شک و شبہ کی قطعی گنجائش نہ تھی ۔ مجھے یہ بات کہنے میں باک محسوس نہیں ہوتا کہ میں جب ان کی فوٹو کبھی غور سے دیکھتا ہوں اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہوں تو مجھے میرے اندر کا کم تر انسان ' فوٹو سے بھی آنکھیں دوچار کرنے سے قاصر رکھتا ہے اور ایک انجانے رعب و دبدبہ سے ہمکنار کر دیتا ہے اگر ان کے تصویری جلال و جمال کا یہ عالم ہے تو جنہوں نے ان کو اپنی زندگی میں دیکھا اور ان کے ساتھ وافر وقت گزارنے کا شرف حاصل کیا ان کا کیا حشر ہوتا ہوگا ۔

لیکن ہمارے بزرگان کرام ' عمائدین عظام اور رہنمایان ریاست جنہیں قائداعظمؒ کا جانشین ہونے کا شرف حاصل ہے ' جنہیں حضرت قائداعظمؒ کے شعبہ سیاست کا ہم شعبہ ہونے کا وہم ہے کبھی انہوں نے سوچا کہ ان کے لئے دیانت دارانہ سیاست کی کتنی عظیم اور اعلیٰ مثال ان کے سامنے ہے ۔ ہندوستان کا بچہ بچہ اب بھی نہرو' پٹیل

اور گاندھی ہے لیکن خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ ہمیں اور فقط ایک قائداعظمؒ پھر عطا کر جو اس ملک و ملت کو حضرت قائداعظمؒ کے نظریات و خیالات کی روشنی میں ڈھال دے۔

حضرت قائداعظمؒ کی روح کانپتی تو ہوگی ان کی روح دیکھ تو رہی ہوگی کہ ہم نے پاکستان کا کیا حشر کیا۔ قومی سیاست و سیادت، صوبائی تعصّبات لسانی تنازعات، اقتدار و اختیار کی اکھاڑ پچھاڑ، منفی نظریات و تصورات کی گھما گھمیاں، خون مسلم کی ارزانیاں، منفی نعروں کی فراوانیاں، مسلم قائدین کی شگفتہ بیانیاں، لوٹ کھسوٹ کی روانیاں، صوبائی جاہ طلبی اور انا پرستی کی طغیانیاں، دہشت گردی اور ڈاکہ زنی کی جولانیاں، نفرت و حقارت کی قیامت سامانیاں، یہ سب کچھ کیا ہے اور کس کے لئے ہے اور یہ سب کچھ کب تک اس ملک میں جاری و ساری رہے گا ہم میں سے ہر شخص بحیثیت پاکستانی اپنے آپ کو کس طرح فریب دے رہا ہے اور پھر ہر لحہ ریت کی دیوار پر کھڑا ہے، آج کا اپنے طور پر کامل، منتظم اور سیاستدان، عقل کل، مجسم فلسفہ اور افلاطون۔ دوسروں کو حقیر، نامکمل، فرسودہ، بے کار اور بے معنی تصور کرنے والا شفاف شیشے میں ہر حکیم و ادیب پاکستان کا ٹھیکیدار بن گیا ہے اپنی ذات میں مقید، اپنی عقل و دانش پر نازاں فلسفی پاکستان کی تعمیر و ترقی اور آزادی و خود مختاری کی بحالی اور برقراری کا سب سے بڑا ترجمان ہے۔ سیاست گزیدہ سیاست کار حب الوطنی کا قطب مینار ہے ایسے سماں میں جو شے دب کر رہ گئی ہے وہ عزیز از جان پاکستان ہے۔

میں نے دنیائے سیاست کے بڑے بڑے مدبرین، مفکرین اور قائدین کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، لیکن حضرت قائداعظمؒ جس ایک اور پہلو سے بھی انتہائی ممتاز اور بلند تر حیثیت رکھتے ہیں وہ ہے ان کی خیر جو طبیعت، ہمدردانہ نظریہ زندگی اور خیر گسترانہ میلان طبع، انہوں نے جو کمایا، حلال کمایا، خون پسینے سے کمایا، اپنے آپ پر بھی خرچ کیا۔ اپنے لواحقین اور متعلقین پر بھی خرچ کیا۔ لیکن اس سے مستحسن عدل میں

فضول خرچی ، غلط اور بے جا تصرف کو جگہ حاصل نہ تھی ۔ تاریخ انسانی میں ایسی مثالیں **خال خال** میسر آتی ہیں ، کہ قائدین نے جہاں اپنی اپنی اقوام کو سیاسی بیداری اور آزادی اور خود مختاری کے زریں تصورات سے ہم آہنگ کیا ہو پھر ہر طرح مالی معاونت اور امداد بھی کی ہو ، خصوصاً رحلت فرما جانے کے بعد ان کا تمام اثاثہ حقدار رشتہ داروں میں اور قومی اہمیت کے اداروں میں تقسیم کردیا گیا ہو ، اس ضمن میں خالصتاً" حضرت قائداعظمؒ" کی مثال ، سورج کی روشنی کی طرح نکھری نکھری ، واضح اور قائم و دائم ہے ۔

پروفیسر محمد منور مرزا اپنے مضمون "اک ہجوم رہبراں ہے، راہبر کوئی نہیں" میں لکھتے ہیں کہ ہندو شو لال نامی صاحب قلم اپنی کتاب "ہندوستان کے ناداں حکمران" میں ذکر کیا ہے کہ گاندھی جی نے جنوری ۱۹۱۵ء سے لے کر یعنی افریقہ سے ہندوستان واپس آنے کے وقت سے لے کر تا دم وفات قوم کا کھایا' ان کی بکریاں بھی قوم پر پلتی رہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو بیسویں صدی کے دوسرے دھاکے میں سیاست میں داخل ہوئے اور کانگریس سے تنخواہ لینے لگے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے سال کے بعد اپنے ٹی۔ اے' ڈی۔ اے اور تنخواہوں کی رقم بڑھائے جانے پر اصرار کرتے تھے۔ انہوں نے کتابوں کی رائلٹی جو کئی لاکھ روپیہ سالانہ تھی انورا بیٹی کے نام منتقل کر دی۔ بہن کو محروم کر دیا۔ راجندر پرشاد صدر بھارت سرکاری خزانے سے "خاطر داری بھتہ" اتنا ہی نکلواتے تھے جتنا مونٹ بیٹن اور ویول نکلواتے تھے مگر خرچ اس سے پچاس روپے بھی نہیں کرتے تھے۔ شو لال نے مزکورہ بالا کتاب میں جو انورا گاندھی کی ناوانیوں پر مشتمل ہے یہ بھی قلم بند کیا ہے کہ سردار پٹیل نے وزیر بن کر کیا کیا شاہ خرچی فرمائی۔ صدر بھارت مسٹر گری نے کس کس بے امانتی کا ارتکاب کیا ان سب تذکروں کے بعد وہ بقول خود ہندوستان کے دشمن اول یعنی مسٹر جناح نے تمام عمر محنت کی' مشقت کے دم قدم سے خوب دولت کمائی اور اس دولت کو قوم کے کاموں پر خرچ بھی کیا اپنی ذات پر

بھی اور عزیزوں پر بھی' قوم سے کبھی کچھ نہ لیا اور نہ مسلم لیگ سے اور پھر بہت سی رقم وقف کر گئے۔ بہنوں کا حصہ الگ ادا کیا' بہت سے پاکستانی اور ہندوستانی تعلیمی اداروں کے لیے رقوم مخصوص کیں۔ شولال جیسا کہ ظاہر ہے' ہندو ہے اندرا گاندھی پر یہ کتاب اس نے ۱۹۷۷ء میں قلم بند کی تھی۔ اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ قائداعظمؒ کی قیادت ہمارے لیے مثالی ہے' محنت' خلوص' استقامت' اصول پسندی اور ایثار کی' قائداعظمؒ کے سیاسی اخلاف اگر دیانت دار اور ایثار پیشہ ہوتے تو مسلم لیگ ایک طاقتور سیاسی جماعت ہوتی پھر وہ طاقتور اور منظم جماعت بہتر سے بہتر آدمی انتخابات کے لیے نامزد کرتی جو اہم کام کرنے کے اہل ہوتے منتخب ہو کر انے والے اکثر فقط وہی لوگ نہ ہوتے جو دولت کے زور اور برادری کی قوت اور کامل رسہ گیری کے سہارے اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں جن کو نہ کوئی قومی شعور میسر ہوتا ہے اور نہ انہیں وطن کے احوال سے کوئی غرض ہوتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ لوگ بالعموم اپنی "ٹوہر" بنانے کے لیے آتے ہیں اور اکثر پیش نظر انتخابات پر خرچ ہونے والی بھاری بھر کم رقم کو واپس وصول کرنا ہوتا ہے۔ فقط اصل زر ہی کی واپسی مقصود نظر نہیں ہوتی بلکہ سود بھی۔"

یہ کمال ہے کہ حضرت قائداعظمؒ کی شخصیت مرقع اخلاق تھی اسلامی غیرت و حمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی انہیں کسی قسم کا رعب و بدبہ مرعوب نہ کر سکتا تھا۔ انتہائی اعلیٰ خطیب مگر جذبات میں کبھی بھی نہیں آتے تھے وہ سچے اور پکے انسان تھے لہٰذا انہیں دھوکہ دینا آسان کام نہ تھا اور نہ ہی وہ کسی کو دھوکہ دیتے تھے۔ امیرانہ طرز کی زندگی بسر کی لیکن دل ہمیشہ غریبوں کے لیے دھڑکتا تھا اپنے مشن اور اس کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ تھے چنانچہ ان کے دل سے ہمیشہ یہی دعا نکلتی تھی کہ میرے پروردگار! مسلمان ملت کی آزادی و خود مختاری کے ضمن میں میرے قدم آگے بڑھے ہیں انہیں پیچھے نہ لوٹنا پڑے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا تھا۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں حضرت قائداعظمؒ نے انتہائی رقت آمیز تقریر فرمائی جس کا مختصر سا متن درج ذیل ہے۔

مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا' دولت شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد و سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو یہ یقین اور اطمینان سے مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی' تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں آپ سے اس کی داد اور شہادت کا طلب گار نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل' میرا اپنا ایمان' میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح کیا تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تم نے مسلمانوں کی تنظیم' اتحاد اور حمایت کا فرض بجا لائے میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں علم اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے"

ان خیالات و نظریات کے مطالعے کے بعد کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت قائداعظمؒ کو مسلمانان ہند کی قیادت کا کتنا احساس تھا ور وہ اس قیادت کو کتنی دیانت سمجھتے تھے گویا یہ خیال ان کے ذہن پر مرتسم تھا کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں اس مشن کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔

شریف المجاہد اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں "ایک وکیل کی حیثیت سے ہم پیشہ

افراد میں انہیں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بمبئی کے ایک نہایت قابل اور کامیاب وکیل نے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ان الفاظ میں کیا "مجھے نہیں معلوم وہ (جناح) یہ سب کیسے کر لیتے ہیں اس کے باوجود وہ محض دولت کی خاطر مقدمہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ایک مہاراجہ نے ان سے اپنا مقدمہ لڑنے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا "میں ایک وکیل ہوں' دلال نہیں۔" کچھ بھی ہو حقیقت ہے کہ وہ نہایت کمزور مقدمے بھی جیت لیا کرتے تھے۔"

ایک بیرسٹر کی حیثیت سے جناح اپنی آزادی رائے' جرات و بے باکی اور دیانت و ایمانداری کے لیے مشہور تھے بمبئی کے ایک ممتاز وکیل سر چمن لال سیتل واڑ نے قائداعظمؒ کے بارے میں کہا تھا "صورت حال کچھ بھی ہو وہ کبھی جج یا مخالف وکیل سے متاثر یا مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ ایک وکیل کی حیثیت سے وہ عدالتوں کو مسحور اور مسخر کر دینے والی صلاحیتوں سے متصف تھے۔ بحیثیت ایک مشیر انہوں نے کبھی بد ترین حالات سے پریشان ہونا نہیں سیکھا تھا اور ہمیشہ ان کا سربلند رہتا تھا۔

بمبئی کے ایک موقر ہفت روزہ کے ایڈیٹر جو کھم اولوانے ۱۹۴۰ء میں قائداعظمؒ کے بارے میں کہا تھا کہ انہوں نے بار میں اپنا عز و وقار ہمیشہ قائم اور بے داغ رکھا وہ بار کے اعلیٰ ترین معیار کی علامت تھے اور بار میں ان کی یاد ہمیشہ ہمیشہ تازہ رہے گی۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی بنا پر قائداعظمؒ ہندوستانی بار کا "لارڈ سائمن" کہا جاتا ہے۔"۷

ممکن ہے یہ بات ہمارے پاکستانی امراء سیاست دانوں' دولت مند کاروباریوں اور صاحب ثروت حضرات کے لیے اچنبھے کی حیثیت رکھتی ہو یا ان کے لیے انتہائی لمحہ فکریہ کا باعث ہو کہ حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں بھارت کے مشہور انگریزی روزنامہ سٹیٹس مین نے مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو حضرت قائداعظمؒ کی ایک وصیت کی خبر شائع کی تھی جو ذیل میں اس طرح درج ہے۔

"مسٹر جناح نے اپنے ذاتی اکلونٹ میں چالیس لاکھ روپے چھوڑے ہیں جن سے پاکستان اور انڈیا میں تعلیمی ادارے فائدہ اٹھائیں گے۔ پبلک فنڈ میں انہوں نے چوراسی لاکھ روپے چھوڑے ہیں جو مسلم لیگ اور چند دیگر اداروں کو منتقل ہو جائیں گے۔ ذاتی فنڈ سے بمبئ یونیورسٹی کو جہاں مسٹر جناح نے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی' پچاس ہزار روپے' انجمن اسلام بمبئ اور اینگلو عریبک کالج دھلی کے لیے پچیس پچیس ہزار روپیہ' اپنے خاندان کے افراد کو کچھ حصہ دینے کے بعد باقی بیس لاکھ روپوں کی رقم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' اسلامیہ کالج پشاور اور اسلامیہ سندھ مدرسہ کراچی (جہاں مسٹر جناح نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی) کے مابین برابر برابر تقسیم کر دی جائے گی۔"

حیرت ہے کہ حضرت قائداعظمؒ نے تمام عمر کانگریس کے اجیروں' ملحدانہ نظریات کے ترجمانوں' متحدہ قومیت کے پرستاروں' نظریہ پاکستان کے مخالفوں' انگریزی راج کے علمبرداروں اور برصغیر میں سیاسی و نظریاتی دوغلوں کے کردار کو ہمیشہ ازبام لاتے رہے' انہیں بے نقاب کرتے رہے ار ان کے ساتھ معاملات میں کبھی جذبہ رواداری' موا نہت مجاملت اور تسامح کو روا رکھنے کے قائل نہ تھے۔ اپنے مخالفین کے لیے ہمیشہ شمشیر براں ثابت ہوئے۔ حضرت قائداعظمؒ کے سامنے ان کی ذرا بھر وقعت نہ تھی۔

اثر صہبائی نے کیا خوب لکھا ہے۔

دیانت' شرافت' محبت کے پیکر!
صداقت' عزیمت' شجاعت کے پیکر
الہیٰ! ہمیں ایسے انسان عطا کر!
نفس مشک افشاں بہاروں بڑھ کر
جبیں درخشاں ستاروں سے بڑھ کر
الہیٰ! ہمیں ایسے انسان عطا کر!
نگاہیں نہ دھند لائیں زور ہوس سے

دلوں کے چمن پاک ہوں خار و خس سے
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!
نہ منصب کا لالچ، نہ سازش کا ڈر ہو
فقط تیری رحمت پہ جس کی نظر ہو
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!
نہ تن کی محبت، نہ دھن کی محبت
دلوں میں فقط ہو وطن کی محبت
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!

# حوالہ جات

۱۔ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی۔ صفحہ نمبر ۶۹

۲۔ سیرت اشرف از۔ منشی عبدالرحمٰن خان۔ صفحہ نمبر ۵۶۱

۳۔ قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ" سیرت و کردار از پروفیسر کرم حیدری۔ صفحہ نمبر ۵۱

۴۔ حسن کردار کا نقش تابندہ از۔ غلام احمد پرویز' صفحہ نمبر ۱۱-۱۰

۵۔ ایضاً' ایضاً' صفحہ نمبر ۱۴-۱۳

۶۔ نوائے وقت' مضمون : پروفیسر محمد منور مرزا ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء

۷۔ قائداعظمؒ۔ حیات و خرات' مصنفہ : شریف المجاہد' ترجمہ : خواجہ رضی حیدری' صفحہ نمبر ۱۸-۱۷

# حضرت قائداعظمؒ اور میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء

## (ایک تاریخ سنگ میل)

عبدالوحید خان لکھتے ہیں کہ "نومبر ۱۹۱۶ء میں کلکتہ میں سر بندر ناتھ بینرجی کے صدرات میں مسلم لیگ اور کانگریس کی مشترکہ میٹنگ ہوئی اور باہمی مفاہمت کے بعد ایک معاہدہ مرتب ہوا جو لکھنؤ پیکٹ کے نام سے موسوم ہوا۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ مین کانگریس اور مسلم لیگ کے مشہور تاریخ اجلاس ہوئے' کانگریس کے صدر مسٹر امبکاچرن موزمدار اور لیگ کے صدر مسٹر جناح تھے' کانگریس نے ۲۶ دسمبر کو اور لیگ نے ۳۱ دسمبر کو اس معاہد کی تصدیق کی۔

مسٹر جناح نے اپنے خطبہ صدرات میں فرمایا تھا'

"یہ امر میرے لیے اور ہر محب وطن کے لیے نہایت اطمینان بخش ہے' کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کی جماعتی حیثیت کو ہندو جماعت کے لیڈروں نے تسلیم کر لیا ہے' اور اس کے ساتھ فراحدلی کا برتاؤ کیا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کمیٹیوں نے گذشتہ نومبر میں کلکتہ میں مل کر جو عہد نامہ متفقہ فیصلہ سے کیا تھا وہ اس کی بین دلیل ہے' دونوں فریقوں میں چند ایسے نفوس جن کا رضا مند ہونا محال ہے اب بھی ممکن ہے کہ کہیں موجود ہوں' لیکن بہ حیثیت مجموعی فرقہ وارانہ ابر کے خوف سے مطلع صاف ہو گیا ہے اور مستقبل کے مناظر ان علامات سے چمک اٹھتے ہیں' جو

ہندوستان کے وفادار فرزندان کے دل خوشی سے معمور کر دیتی ہے۔"۱

دراصل کانگریس ۱۸۸۵ء میں اور مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں تشکیل پذیر ہوئی۔ یہ دونوں سیاسی جماعتیں ایک طویل عرصے تک باہمی آویزشوں کا شکار رہیں۔ معاہدہ لکھنؤ کے سوا کوئی ایسی مثال میسر نہیں کہ ان دو جماعتوں میں کوئی بھی مسئلہ یا معاملہ آپس میں بخیر و عافیت طے پایا ہو۔ یہی سبب ہے کہ میثاق لکھنؤ کو مسلمانان ہند کی سیاسی تاریخ میں ایک انتہائی اہم سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

چراغ مصطفوی کی مالک قوم میں اور شرار بولہبی کی حامل قوم میں بعد مکانی نہیں' بلکہ روحانی ہے۔ اور یہ فرق' یہ امتیاز اور یہ اختلاف قیامت تک جاری رہے گا' ایف کے درانی لکھتے ہیں' کہ "بقول سر عبدالرحیم ہم مسلمان افغانستان' ترکستان وغیرہ کسی ملک میں مسلمانوں کے یہاں ٹھہریں' بڑی جلدی گھل مل جاتے ہیں' اس کے لیے کہ آداب و اخلاق' ساز و سامان اور اسماء بھی ایسے ہی ہوتے ہیں' مگر خود اپنے یہاں اپنے ہی شہر کے کسی مسلم محلے اور ہندو محلے کی مابین صرف ایک گلی یا سڑک موجود ہوتی ہے' جیسے ہی وہ گلی یا سڑک عبور کی جائے' ہمیں ایک بالکل نئی اور اجنبی دنیا نظر آنے لگ جاتی ہے' جن کے نام الگ' خانہ داری کے سامان جدا' سلام کے آداب جدا' بلکہ یہاں تک کہ زندگی کے بارے میں خیالات و نظریات بھی الگ۔"۲

پروفیسر مرزا محمد منور صاحب لکھتے ہیں' کہ "میثاق لکھنؤ کس طرح عمل میں آیا' یہ بھی دل چسپ معاملہ ہے' آپ کو یاد ہے کہ لارڈ کرزن نے صوبہ بنگال کو اس کی کثرت آبادی کے پیش نظر اور نظم و نسق کو بہتر بنانے ک خاطر دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا' یہ مسلمانوں کا مطالبہ نہ تھا' ایک صوبہ مشرقی بنگال کے نام سے موسوم ہوا جس کے ساتھ آسام بھی نتھی تھا' دوسرا صوبہ مغربی بنگال بنا' مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی' یعنی مسلمان اس صوبے میں تھوڑی بہت انتظامی سہولت کے باعث کسی قدر زرعی تجارتی اور تعلیمی منفعت حاصل کر سکتے تھے' بس پھر کیا تھا' ہندوؤں نے

آسمان سر پر اٹھا لیا' کہ یہ سکیم محض بنگالی قوم کو' جو سیاسی شعور کی مالک ہے' دو حصوں میں تقسیم کر کے کمزور و ناتواں بنا دینے کی نیت سے نافذ کی گئی ہے۔ کانگریس کی قیادت نے شورش کے اس فتنے کو جنگل کی آگ کی مانند پھیلایا' لاکمانیہ تلک جیسے سیوا سبھائی لوگ آگے آ گئے۔ بندے ماترم جلسوں اور جلوسوں میں گایا جانے لگا۔ مسلمان حیران تھے' گو وہ جانتے تھے کہ ہندو' ہندو ہے' اور مسلمان' مسلمان' ہندو کی اس واضح تنگ ظرفی نے انہیں بڑا دکھ پہنچایا' مگر مسلمان اس وقت منظم نہیں تھے' ان کی کوئی سیاسی جماعت نہ تھی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس یا اس طرح کی دو ایک اور تنظیمیں تھیں' مگر ان سے وہ سیاسی کام نہیں لیا جا سکتا تھا جو کام ہندو قوم کانگریس سے لے رہی تھی۔" ۳

بہرکیف کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاسوں میں ہندوستان کے اندر کئی سیاسی اصلاحات کے مطالبات پیش کیے گئے۔ مثلاً جتنی بھی صوبائی کونسلیں ہیں۔ ان کے منتخب ممبروں کی تعداد جملہ تعداد کا ۴/۵ ہو' بڑے بڑے صوبوں میں ممبروں کی کم سے کم تعداد ۱۲۵ اور چھوٹے صوبوں میں ۵۰ سے ۷۵ تک ہونی چاہیے' یہ بھی طے پایا کہ انتخابات عام رائے شعاری کے ذریعے کرائے جائیں' اور صوبائی کونسلوں کو صوبے کے مالیاتی مسائل کے بارے میں پورا کنٹرول حاصل ہو' اسمبلی کے ممبران کو تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت ہو'

گورنر یا گورنر جنرل کو ان صوبائی کونسلوں کی تحریک رد کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ انہیں زیادہ سے زیادہ التواء کا اختیار ملنا چاہیے۔ صوبائی حکومت خود مختار ہونی چاہیے۔ فرقہ وارانہ مسائل کو حل کیا جانا چاہیے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل شرائط اور تجاویز ضروری قرار دی گئیں۔

۱۔ مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا جائے گا۔

۲۔ جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہوں انہیں نشستوں کا تحفظ حاصل رہے

گا۔

۳۔ ایسے صوبے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں گے، ہندوؤں کو تحفظ حاصل رہے گا۔

اس کے علاوہ مرکزی اسمبلی کا جہاں تک تعلق ہے مسلمانوں کو نشستیں حاصل رہیں گی۔ صوبائی اسمبلیوں اور مرکزی اسمبلی میں کوئی بھی ایسی تحریک جو کسی ایک فرقے کو متاثر کر سکتی ہو، نہ پیش کی جائے گی۔

۴۔ نشستوں کے تحفظ کے تحت مختلف صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد متحدہ صوبہ جات میں ۳۰ فیصد، بنگال میں ۴۰ فیصد، متوسط صوبے میں ۱۵ فیصد، مدراس میں ۱۵ فیصد، اور بہار میں ۳۵ فیصد۔

سید حسن ریاض لکھتے ہیں کہ "جو چیز مشترکہ ہندوستان کی تاریخ میں لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے، وہ یہی مشترکہ سکیم تھی بیشک لکھنؤ پیکٹ مسٹر جناح کی معاملہ فہمی۔ الجھے ہوء معاملات کو سلجھانے کی صلاحیت اور بدگمان فریقوں کے درمیان افہام و تفہیم کی قابلیت کا ایسا شاہکار ہے، کہ بس ایک ہی دفعہ ظہور میں آ سکا۔ لیکن چوہدری خلیق الزمان صاحب نے اس کو سیاست میں مسلمانوں کی ناتجربہ کاری پر محمود کیا ہے۔ کہ انہوں نے اسی وقت تعداد آبادی کی بنا پر نیابت کا فیصلہ نہ کیا، اور وہ بنگال میں ۴۰ فیصد اور پنجاب میں ۵۰ فیصد نیابت پر رضا مند ہو گئے۔ اور ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ انہوں نے پاسنگ کے طور پر اضافی نشستیں حاصل کیں، ان کی رائے یہ ہے کہ "اس سے وہ مسائل پیدا ہوئے جنہوں نے ہندو مسلم تعلقات میں زہر ملا دیا اور ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد پڑ گئی، اور پھر ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو پاکستان پنجاب اور بنگال کے وسیع علاقوں سے محروم ہو گیا"۔ یہ عجیب رائے ہے۔

ایک طرف انگریزی حکومت اس مسلمہ حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ مسلمانان ہند، ہندوؤں سے بالکل مختلف، جدا، اور الگ قوم ہیں، لہٰذا انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ

جداگانہ حقوق کا مطالبہ پیش کریں' مگر عجیب معاملہ یہ ہے کہ دوسری طرف تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان بھی کر دیا گیا' ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی بڑھی' صورت احوال سنگین ہو گئی' حضرت قائداعظمؒ در حقیقت ان دنوں کانگریس کے رکن تھے۔ اور ان کا مطمع نظر بھی یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی کم کی جائے اور یہ دونوں قومیں آپس میں ہم آہنگ ہو کر ہندوستان کی تعمیر و ترقی کی ضمانت دیں' ایم۔ ایچ سید لکھتے ہیں کہ

قائداعظمؒ کو مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کرنے کی بطور خاص دعوت دی جاتی رہی' اور وہ ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء میں مسلم لیگ کے رکن نہیں تھے' ان اجلاسوں میں وہ خطاب بھی فرماتے اور اپنے مشوروں سے بھی نوازتے۔" ۴

مطلوب الحسن سید لکھتے ہیں' کہ "قائداعظمؒ نے مسلم لیگ اور کانگریس کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کاوشیں شروع کر دی تھیں' حضرت قائداعظمؒ ہی اس کام کو سر انجام دے سکتے تھے۔ اس لیے کہ دونوں سیاسی جماعتوں کے لیے ان کی حیثیت ایک معتمد کی سی تھی' اور کوئی فرد ایسا نہ تھا جو یہ کام انجام دے سکتا' چنانچہ لکھنؤ پیکٹ کی جانب یہ پہلی منزل تھی' قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کو خاص طور پر دعوت دی کہ اسے اپنا سالانہ اجلاس ۱۹۱۳ء کانگریس کے شانہ بشانہ بمبئی میں منعقد کرنا چاہیے۔ لیکن مسلمانان ہند کا ایک گروہ جو ہندوؤں سے خاصا بیزار تھا' انہیں یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں قائداعظمؒ مسلم لیگ کو کانگریس میں مدغم کرنا تو نہیں چاہتے' دوسرا خوف اور خطرہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ ان دونوں جماعتوں کی ہم آہنگی اور یک جہتی پسند نہ کرتی تھی۔ کیونکہ ہندو مسلم اتحاد و اتفاق برطانوی حکومت کیوں پسند کر سکتی تھی نتیجتاً کہ مسلم لیگ کے اجلاس میں افراتفری پیدا ہوئی' بدمزگی پیدا ہوئی اور جلسہ برخاست ہو گیا' اس کے بعد دوسرے اجلاس کا تاج محل ہوٹل میں انعقاد کرایا گیا' اور باضابطہ کاروائی مکمل ہو گئی۔" ۵

چنانچہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے مقام پر مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجتماعات منعقد ہوئے، اور دونوں جماعتوں نے ان تجاویز کو تسلیم بھی کیا اور منظوری بھی دے دی گئی، اور ایک ایسی سکیم معرض وجود میں آئی جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے یہی وہ سکیم تھی جسے مستقبل کے لیے اصلاحات کی سکیم بننا تھا۔

چوہدری محمد علی لکھتے ہیں، کہ "لکھنؤ پیکٹ کے خلاف بعض مسلمان قائدین نے شدت سے ان رائے کا اظہار کیا، ان کا خیال یہ تھا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے، اگر وہاں ان کو چند نشستیں مل بھی جائیں، تو پھر بھی اکثریت کے اقتدار پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا، اس کے بر خلاف بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت کو غیر موثر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔"٦

ایس۔ ایم اکرام لکھتے ہیں، کہ "ان مخالفین میں سے سب سے زیادہ اہم اور نمایاں میاں سر شفیع تھے اور ان کے مسلم لیگ کے ساتھ اختلافات میں اس قدر اضافہ ہوا، کہ بالا آخر ان کی پنجاب لیگ کو مرکزی لیگ سے الگ اور علیحدہ کر کے میاں سر فضل حسین کو سربراہ مقرر کر دیا گیا، میاں سر شفیع کے علاوہ نواب علی چوہدری بھی لکھنؤ پیکٹ کے مخالف تھے اور یہ وہ چوہدری صاحب تھے جنھوں نے نواب سلیم اللہ خان کے ساتھ شملہ وفد ۱۹۰۶ء میں شرکت کی تھی، ان کا خیال تھا کہ بنگال کی مسلمان اکثریت کو کل ۴۰ فیصد نشستیں دے کر اقلیت میں بدل کر رکھ دیا ہے، ان کے علاوہ سر عبدالرحیم نے بھی مخالفت کی، وہ بھی اس معاہدے کی رو سے بنگال کے مسلمانوں کی حق تلفی سمجھتے تھے، چنانچہ نواب چوہدری اور سر عبدالرحیم نے لکھنؤ پیکٹ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ "٧

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ""سب سے بڑا فائدہ جو مسلمانوں کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کو تسلیم کر لیا۔ جس کا سیدھا اور صاف مطلب یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔ اور قائداعظمؒ نے یہ

وہ بات کانگریس سے منوا لی کہ آگے چل کر کانگریس کے گلے کا طوق بن گئی' اور کانگریس دو قومی نظریے کی حقیقت سے پھر کبھی جان نہ چھڑا سکی۔ منٹو بارلے سکیم ہی سے آئینی اور سیاسی اصلاحات کے میدان میں دو قومی عمل شروع ہو گیا تھا مگر وہ انگریز کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی کا اعتراف تھا' ہندوؤں کی طرف سے نہ تھا' اب لکھنؤ پیکٹ نے کانگریس کی طرف سے دو قومی نظریے کو منوا لیا۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس نے مسلم لیگ کے ساتھ یہ پیکٹ کر کے گویا عملاً یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندہ ہے' لکھنؤ پیکٹ اس باب میں کانگریس کے گلے کا طوق ثابت ہوا کہ آگے چل کے جب مسلمانوں نے اپنی جداگانہ جدوجہد آزادی شروع کی اور جواباً کانگریس نے بہ شد و مد نیشنل روپ دھارنا چاہا اور اپنے آپ کو ہندو مسلم دونوں قوموں کا نمائندہ ثابت کرنا چاہا تو لکھنؤ پیکٹ کی رو سے مسلمانوں کے باب میں عملاً تسلیم کردہ مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کی تردید مشکل ہو گئی۔ مثلاً ملاحظہ فرمایئے قائداعظمؒ کا ایک مکتوب بنام سوبھاش چندر بوس' یہ خط اگست ۱۹۳۸ء کا مورخہ ہے' اس میں پنڈت جواہر لال نہرو کے اس بیان کی طرف اشارہ ہے جس میں انہوں نے بصد غرور ارشاد فرمایا تھا کہ ہندوستان میں فقط دو پارٹیاں ہیں' ایک برٹش حکومت اور دوسری کانگریس' بہرحال قائداعظمؒ کے الفاظ یہ ہیں۔" ۸

"کونسل (مسلم لیگ) اس امر پر یقین کامل رکھتی ہے' کہ مسلمانان ہند کی مستند اور نمائندہ جماعت فقط مسلم لیگ ہے' جب ۱۹۱۶ء میں بمقام لکھنؤ کانگریس مسلم لیگ پیکٹ عمل میں آیا اور پوزیشن کو تسلیم کر لیا گیا تھا' ازاں بعد ہمیشہ اسے بلاچون و چرا تسلیم کر لیا جاتا رہا' حتیٰ کہ جب ۱۹۳۵ء میں جناح راجندر پرشاد گفت و شنید ہوئی تو جب بھی اس مسلم حقیقت سے تعرض نہ کیا گیا' اس لیے اب آل انڈیا مسلم لیگ کو کوئی ضرورت نہیں' اس بات کی کہ کانگریس اس کو مانتی اور تسلیم کرتی ہے یا نہیں۔ اور نہ

بمبئی میں مسلم لیگ کی ایگزیکٹو کونسل کی قرار داد کا یہ منشا تھا' مگر اس امر کے پیش نظر کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک بیان کی رو سے مسلم لیگ کی پوزیشن ہی کو ماننے سے انکار کہیں کر دیا۔ بلکہ سرے سے اس کے وجود ہی کی نفی کر دی اور جب یہ بیان دیا تو وہ کانگریس کے صدر تھے' اس بیان میں پنڈت نہرو نے اس امر پر زور دیا کہ ملک میں فقط دو پارٹیاں ہیں۔ ایک برٹش گورنمنٹ اور دوسرے کانگریس تو ایگزیکٹو کونسل (مسلم لیگ) نے لازم جانا کہ کانگریس کو اس بنیادی شرط سے آگاہ کر دیا جائے جس کی روشنی میں ان دو تنظیموں کے مابین بات چیت ہو سکتی ہے۔" ۹

پروفیسر کوپ لینڈ نے لکھا' کہ "لکھنؤ پیکٹ' دراصل مسلمانوں کے حق میں' کانگریس کی جانب سے ہتھیار پھینکنے کے مترادف تھا' اور بالا آخر ہندوؤں کو (مسلمانوں کے ضمن میں) جدا گانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کرنا پڑا۔" ۱۰

سادھو سروپ سنگھ نے لکھا ہے' کہ ۱۹۱۶ء کے لکھنؤ پیکٹ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کانگریس' انڈین نیشنل کانگریس نہیں' وجہ یہ ہے کہ ایک ہی قبیلے (برادری) کے درمیان معاہدوں کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ معاہدات پر تصدیق بھی' اس ضمن میں کہ اختلاف موجود ہیں' جن کو دور کیا جا رہا ہے۔ یا مصالحت کی کوششیں کی جا رہی ہیں' ان معاہدات کا وجود تقسیم کا ثبوت ہے۔ وحدت کا نہیں۔" ۱۱

لکھنؤ پیکٹ' برصغیر کی تاریخ کا ایک ایسا اہم سنگ میل ہے۔ جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی افہام و تفہیم' رضا مندی اور اپنی اپنی خواہش کے مطابق بطریق احسن انجام کو پہنچا۔ حضرت قائداعظمؒ کے دل میں یہ خیال موجود تھا' کہ اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں پر امن فضاء قائم رہے گی' اور یہ دونوں قومیں باہمی عزت و تکریم اور ایک دوسرے کے سیاسی حقوق کی پاسداری کریں گی۔ مگر ان کا یہ خیال درست ثابت نہ ہوا۔ ہندو نے ہندو کی طرح سوچا اور عمل کیا۔ مسلمان نے مسلمان کی طرح سوچا اور عمل کیا' اور ان دوں قوموں کی اختلافات کی خلیج روز بروز

وسیع ہوتی چلی گئی۔ آنے والے وقت نے یہ ثابت کیا کہ لکھنؤ پیکٹ مسلمانان ہند کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب، ایک اہم واقعہ اور ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا جس میں مسلمانان ہند کی ایک جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ "میثاق لکھنؤ' مسلمانوں کے لیے بظاہر نقصان دہ ثابت ہوا۔ کیونکہ پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ان کی نشستیں کم ہو گئیں۔ پنجاب میں وہ غیر مسلموں کے مساوی کر دیئے گئے اور بنگال میں چالیس فیصد نشستیں دے کر ان کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان صوبوں میں جہاں ان کی اقلیت تھی وہاں انہیں تناسب سے زیادہ نشستیں مل گئیں۔ نیز کانگریس نے مسلمانوں کا جداگانہ حق نیابت تسلیم کر لیا۔" ۱۲

حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی "میثاق لکھنؤ" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر شاہی کمشنروں نے اپنی سفارشات کی بنا "میثاق لکھنؤ" کو یا ان چند ایک مسلمانوں کی تجاویز کو قرار دیا ہے جو آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نمائندگی کا مطالبہ ترک کر چکے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانان ہندوستان نے مقدم الذکر کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور موخرالذکر کی اسلامی اخبارات اور عوام نے شدید مذمت کی تھی۔ ہم اپنے صوبے میں صوبجاتی خود مختاری کو موہوم و خیالی چیز ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کے مستقبل کے لیے تباہ کن سمجھتے ہیں۔" ۱۳

# حوالہ جات

۱- مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنفہ : عبدالوحید خان صفحہ نمبر ۸۹-۹۰

۲- دی میکنگ آف پاکستان مصنفہ : ایف- کے درانی صفحہ نمبر ۷۲

۳- العارف نومبر، دسمبر ۱۹۷۶ء لاہور مضمون : میثاق لکھنؤ تحریر : پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ نمبر ۶۸

۴- پاکستان ناگزیر تھا مصنفہ : سید حسن ریاض صفحہ نمبر ۱۷

۵- محمد علی جناحؒ مصنفہ : ایم ایچ سید صفحہ نمبر ۱۶

۶- ایضاً" ایضاً" صفحہ نمبر ۴۱

۷- ظہور پاکستان مصنفہ : چوہدری محمد علی صفحہ نمبر ۱۵

۸- ماڈرن مسلم انڈیا اینڈ دی برتھ آف پاکستان مصنفہ : ایس ایم اکرام صفحہ نمبر ۲۷۵

۹- العارف نومبر، دسمبر ۱۹۷۶ء- مضمون میثاق لکھنؤ، تحریر پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ نمبر ۷۵

۱۰- یونٹی ٹاکس درلاب سنگھ صفحہ نمبر ۱۳

۱۱- انڈیا اے ای سٹیٹمنٹ مصنفہ : پروفیسر کوپ لینڈ صفحہ نمبر ۱۰۹

۱۲- دی سیکھس ڈیمانڈ دیئر ہوم لینڈ مصنف سادھو سروپ سنگھ صفحہ نمبر ۳۶

۱۳- تاریخ مسلم لیگ مصنفہ : رائیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۷۵-۷۶

۱۴- گفتار اقبالؒ مولفہ : افضل اقبال صفحہ نمبر ۱۰۸

# حضرت قائداعظمؒ اور قراردادِ پاکستان

## (جذبہ تعمیرِ پاکستان اور قومی یکجہتی کی روشنی میں)

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخ جلسے میں حضرت قائداعظمؒ نے خطاب فرمایا تھا کہ کانگریس کی حکومت کے ڈھائی سال ہمارے لیے ایک تلخ تجربے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ سال ہمارے لیے ایک بہت بڑا سبق ہیں۔ لہٰذا ہندوؤں سے خوفزدہ ہونا ایک قدرتی امر ہے، درحقیقت یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہے کہ مسلمان اقلیت ہیں مسلمان خود بھی اس اصطلاح کے استعمال کے عادی بن چکے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اقلیت نہیں ہیں، بلکہ وہ ہر حرف اور اصطلاح کے مطابق ایک قوم ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا دو مختلف مذہبی فلسفوں، علیحدہ رسوم و رواج اور جداگانہ ادبیات سے تعلق ہے۔ وہ ایک دوسرے سے نہ شادی کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ اور ان دونوں کا دو مختلف تہذیبوں کے ساتھ تعلق ہے۔ ان تہذیبوں کی بنیاد متصادم اور متحارب نظریات و تصورات پر قائم ہے، زندگی کے بارے میں ہندوؤں کے نظریات قطعی طور پر مختلف ہیں اور مسلمانوں سے یکسر علیحدہ، حتیٰ کہ ان کی شجاعت و جرات کی داستانیں مختلف ہیں۔ ایک کے ہیرو کو دوسری قوم اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ ان کی فتوحات اور شکستیں بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایسی دو قوموں کو ایک ہی مملکت میں اکٹھے جوت دینا بے اطمینانی اور بے چینی میں اضافہ کرے گا۔ مسلمان ہر

اعتبار سے ایک قوم ہیں' ان کا اپنا وطن' اپنا علاقہ ہے اور ملک ہونا چاہیے۔"

حضرت قائداعظمؒ کے اس خطبے سے واضح ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دریا کے دو ایسے کنارے ہیں جو کبھی بھی باہم ہم آہنگ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت قائداعظمؒ کے خیال میں مسلمانان ہند کے لیے ایک علیحدہ وطن ناگزیر تھا' عبدالوحید خان کی "تقسیم ہند" مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "انڈیا ونز فریڈم" اور کیمبل جانسن کی ڈائری "اے مشن ود ماؤنٹ بیٹن" کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ برصغیر کی تقسیم نہ ہندو کانگریس چاہتی تھی اور نہ برطانوی حکومت' برصغیر کی تقسیم کے مراحل کو صرف اور صرف حضرت قائداعظمؒ کے عزم و استقلال اور جہد مسلسل نے جلد از جلد طے کرایا اور یہ تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ کوئی اتنا بڑا ملک اس انداز سے تقسیم ہوا ہو۔ لارڈ ایلی نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو در حقیقت مطالبہ پاکستان کے خاتمے کے لیے ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا تھا مگر مسلمانان ہند کے مطالبہ پاکستان کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ چلی' آسام سے لے کر خیبر تک مسلمانوں کے نعرے گونج رہے تھے کہ "لے کے رہیں گے پاکستان" بٹ کے رہے کا ہندوستان' پاکستان کا مطلب کیا۔

"لا الٰہ الا اللہ"

یہ حضرت قائداعظمؒ ہی کی محنت شاقہ' استقلال' استقامت' جذبہ اخلاص اور ایثار کا ثمر تھا کہ تمام مسلمانان ہند ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ انہوں نے کفن اپنے سروں پر باندھ رکھے تھے۔ اور پاکستان کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ وحدت' یہ نظم و ضبط' یہ ایمانی قوت فقط حضرت قائداعظمؒ کی باکمال قیادت کے باعث نصیب ہوئی۔ وگرنہ مسلمانان ہند آزادی و خود مختاری کو ترستے رہتے اور پھر معلوم نہیں کب تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہتے۔

جب پاکستان معرض وجود میں آ رہا تھا تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ہندو کانگریس نے کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے۔ کیا کیا سازشیں نہیں کیں۔ مسلمانوں کے مفادات کو کس کس

طرح نقصانات نہیں پہنچائے۔ تقسیم ہند کے راستے میں کیا کیا رکاوٹیں نہ کھڑی کی گئیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ دلدوز داستان۔۔۔۔ وہی پی مین جو ۱۹۴۲ء سے لے کر تقسیم ہند کے وقت تک وائسرائے ہند کا قانونی مشیر تھا اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے یہ گذارش کی تھی کہ تقسیم ہند کا زخم اسی صورت میں مندمل ہو سکتا ہے کہ تقسیم ہند کی صورت میں برصغیر کی ریاستوں کا الحاق انڈین یونین کے ساتھ کرایا جائے۔ چنانچہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہماری گذارش قبول کر لی۔ اس کے بعد کیا ہوا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بطور وائسرائے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے آزاد و خود مختار ہونے والی ریاستوں کا الحاق انڈین یونین سے کرایا' وزیر اعظم بیکانیر مسٹر پین کار جو یہ کہتے پھر رہا تھے' کہ مسلمان ہند اگر پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ہاتھی کے دو کان علیحدہ کر کے انہیں دے دیئے جائیں۔ ہاتھی کی اپنی قوت بحال رہے گی۔ مقصد یہ تھا کہ وقتی طو پر تصفیہ بھی ہو جائے' مسلمانان ہند کو راضی بھی کر لیا جائے مگر مسلمانوں کو ایسا خطہ دے دیا جائے' جو کرم خوردہ ہو جو زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے اور ادھر حضرت قائداعظمؒ یہ فرما رہے تھے کہ پاکستان خدا کی منشا ہے اور خدا تعالیٰ کی منشا پوری ہو کر رہے گی اور پاکستان قائم دائم رہنے کے لیے وجود میں آئے گا' یہی سبب تھا کہ پٹیل نے بارہا مسٹر گاندھی سے یہ کہا تھا کہ گاندھی جی فضول ٹکریں نہ مارو' مسلمانوں کو ایسا قائد میسر آگیا ہے جو مسلمانوں کو منزل مقصود تک پہنچا کر دم لے گا۔

جب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار داد پاکستان منظور ہوئی اور پاکستان کے وجود کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا ہر سال جیسے جیسے گذرتا گیا۔ تاریخ تقسیم برصغیر کا سنگ میل قرار دیا جاتا رہا۔

بالا آخر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک سب سے بڑی اسلامی مملکت کی صورت میں ابھرا' پاکستان ابھی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم ہی نہیں

ہوا تھا کہ حضرت قائداعظمؒ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے اور پاکستان لمحہ بہ لمحہ سیاسی ریشہ دوانیوں اور صوبائی تعصبات کا شکار ہوتا گیا۔ حضرت قائداعظمؒ کے فرمودات، اتحاد، تنظیم، یقین محکم، کی دھجیاں اڑائی جانے لگیں، اقتدار و اختیار کے حصول کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا اور اسے اپنا سیاسی حق تصور کیا گیا، اس کے نتیجے میں مملکت خداداد کو جو جو نقصانات پہنچے وہ سب آپ کے سامنے ہیں۔

ہمارے قائدین کا یہ فرض تھا کہ وہ ثابت کرتے کہ وہ حضرت قائداعظمؒ کے حقیقی اور سچے جانشین ہیں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا پاکستان ہر طرح تعصب کا شکار ہونے لگا۔ پنجابی پنجابی کہلانے لگا۔ سندھی سندھی کہلانے لگا۔ سرحدی سرحدی اور بلوچی بلوچی کہلانے لگا۔ وہ قائدین عظام جنہوں نے حضرت قائداعظمؒ کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان کی منازل طے کرائی تھیں، وہ آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ کو پیارے ہوتے گئے اور جب تک وہ زندہ رہے مشرقی و مغربی پاکستان میں وحدت بھی رہی، اور نظم و ضبط بھی۔ بعد میں جو حشر ہوا وہ پوری قوم کے علم میں ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

وہ مسلمان جن کی عظمت و وقار کا اعتراف غیروں نے بھی کیا، مسز سروجنی نائیڈو نے ایک مرتبہ تقریر کے دوران کہا کہ "عربوں نے صرف ملک اور زمینیں فتح نہیں کیں، بلکہ دل و دماغ فتح کیے ہیں۔ مسلمان بھائیو، ہمارے خواب و خیال اور فلسفہ کو حقیقت کا جامہ تمہیں نے پہنایا اور ہمارے افکار اور ہمارے تخیل خالیہ میں حرکت اور جان تمہیں نے ڈالی، آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے دنیا میں علوم و فنون کی کیا کیا خدمات جلیلہ کی ہیں، انہوں نے ہندوؤں کی طرح بخل روا نہیں رکھا۔ مگر افسوس صد افسوس جب پاکستانی ملت میں کوئی قائد نہ رہا تو یہ ملت بکھرنے لگی اور اب حالات یہاں تک آ پہنچے ہیں کہ اگر کسی محلے میں شہر میں، صوبے میں کوئی گڑ بڑ ہوتی ہے، تو لوگ

سوچتے ہیں کہ کہاں جائیں' کس لیڈر سے مدد لیں۔ کس قائد سے حوصلہ لیں' کوئی نہیں رہا جو بااعتبار ہو اور بااعتماد ہو' سرفراز قیادت کا بحران ہے' وہ لوگ جو بین الصوبائی حیثیت کے مالک تھے۔ نہ رہے' ناتجربہ کار لوگ آگے آئے' جن کا حلقہ اعتماد بالکل محدود تھا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ضد' الزام تراشی' بدگمانی اور ذات پرستی نے جنم لیا۔ کسی کو اس کی پروا نہ رہی کہ ملت برباد ہو جائے گی یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ کیا کراچی کے واقعات سندھ کے جملہ حالات اور حیدر آباد کے واقعات ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ کیا متحارب گروہوں کے لیڈر حضرات فیصلہ نہ کرا سکتے تھے۔ مگر ان میں باامکاں قائد ہونے کی صلاحیتیں ہی کہاں تھیں۔ لہٰذا گروہوں میں نفرت کی آگ بھڑکی اور ابھی تک بھڑک رہی ہے۔ جو سارے ملک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ پاکستان کی ۹۹ فیصد آبادی پاکستان کی خیر خواہ ہے۔ محب وطن ہے۔ صرف ایک فیصد لوگ پاکستان کے دشمن ہیں۔ خواہ ان میں روسی ایجنٹ ہوں' ہندوستانی ہوں۔ یہ لوگ از روئے نیت پاکستان کے دشمن ہیں۔ ان حالات میں مبلغین اسلام جنہیں دین اسلام کا حامی اور قائد ہونے کا گمان میسر ہے ایک دوسرے کے اسلام کو قبول ہی نہیں کرتے' ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اسلام کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے' کیفیت یہ ہے کہ اہل قیادت' اہل قیادت سے بدگمان' اہل سیاست اہل سیاست سے بدظن اور اہل دین اہل دین سے برگشتہ' صاف ظاہر ہے کہ ایسی قوم جس کا کوئی ایک قائد ہو بھیڑوں کا گلہ نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا' اس کا مفہوم یہ نہیں کہ ہم منتظر رہیں کہ کوئی قائد ابھرے گا۔ بلکہ ہر فرد ایک پوٹینشل قائد ہے۔ ضرورت صرف خلوص' لگن' پائیداری' عزم اور ایثار کی ہے باامکان قیادت کی ضرورت ہے۔ بشرطیکہ وہ تہیہ کرے کہ وہ قوم کا مداوا کرے گا۔ پاکستان کو نمائشی اور فرمائشی قیادت کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ اس قیادت کی ہے جس کی مثال حضرت قائداعظمؒ نے پیش کی تھی۔ یہ ملک ہمارا گھر بار' کوٹھیاں جائیدادیں' مال و دولت اور عزت و وقار ہے۔ کون ہے جو یہ

کہے کہ میرا گھر سلامت رہے' وطن کی کوئی پروا نہیں' وطن کے ساتھ ہی تو گھر بھی ہے' آزاد وطن ہی ایک عزت کا ٹھکانہ ہے۔

ہے تجھے اپنے آشیاں کی فکر
کاش ہو پورے گلستان کی فکر

پروفیسر محمد منورا مرزا صاحب لکھتے ہیں' "سید حسن ریاض نے اپنی مشہور و مقبول کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" میں قائداعظمؒ کا ایک قول جو انہوں نے ۱۹۳۹ء میں ارشاد فرمایا نقل کیا ہے کہ انہوں نے کوئی دس برس قبل سے مسلمانوں کے لیے برصغیر میں ایک آزاد مملکت کے قیام کی بابت سوچنا شروع کر رکھا تھا' گویا قائداعظمؒ ۳۰-۱۹۲۹ء سے اس ضمن میں غور و فکر کر رہے تھے' مگر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہے تھے' آخر کار مارچ ۱۹۴۰ء میں وہ سوچ مجسم ہو کر قرارداد پاکستان کی روپ میں جلوہ گر ہو گئی' اس کے بعد قائداعظمؒ حصول پاکستان کے سوا کسی امر پر راضی نہ ہوئے' ہمیں معلوم ہے کہ جب گاندھی جی نے "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک چلائی تو مسلم لیگ پر ہندو کانگریس اور ہندو پریس کی طرف سے شدید دباؤ پڑا کہ وہ کانگریس کا ساتھ دیں تاکہ اگست ۱۹۴۲ کے نازک حالات کا فائدہ اٹھا کر برطانیہ کو بھارت سے نکال باہر کیا جائے'

اصفہانی نے اپنی کتاب میں رقم فرمایا ہے کہ چوہدری خلیق الزمان' راجہ محمود آباد اور نواب محمد اسماعیل خان' قائداعظمؒ کے یہاں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس وقت برطانیہ واقعی بدحال ہو رہا ہے۔ جنگ عظیم اور خصوصاً جاپانی پیش قدمی کے باعث برطانوی حکومت کے قدم اکھڑے رہے ہیں۔ اگر اس موقع پر ہم لوگ کانگریس کے ساتھ تعاون کریں تو برطانیہ کو برعظیم سے نکالا جا سکتا ہے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا اس وقت برطانیہ کو ہند سے نکالنا کانگریس کو کس طرح منظور نہیں۔ اس وقت تو وہ شور مچا کر اور شرم دلانے کا حربہ استعمال کر کے آپ لوگوں کی توجہ تحریک پاکستان سے ہٹانا چاہتی ہے۔ یہ کانگریس کا پھندا ہے جو اوپر سے برطانیہ کے خلاف دکھائی دیتا ہے اور

حقیقتاً مسلمانوں کے خلاف ہے۔ مقصود یہ ہے کہ تحریک پاکستان نے جو زور پکڑ لیا ہے اسے توڑ دیا جائے۔ اور ثابت کر دیا جائے کہ مسلمان کوئی علیحدہ قوم نہیں ہیں۔ ان کا کوئی علیحدہ مطالبہ نہیں۔ ان کی کوئی حقیقی الگ قیادت بھی نہیں۔ قیادت فقط کانگریس اور کانگریس کے نام سے مسٹر گاندھی کی ہے۔ آپ یوں کریں کہ تین ماہ بالکل خاموش رہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اگر آپ شامل نہ ہوئے تو کانگریس "ہندوستان چھوڑ دو تحریک" میں دل چسپی لینا چھوڑ دے گی۔ اگر تین ماہ بعد اور مسلمانوں کے تعاون کے بغیر بھی کانگریس اس تحریک کے بارے میں اتنی ہی متشدد اور پرجوش دکھائی دے، جتنی آج ہے تو پھر آپ سچے، پھر میں مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دوں گا' آپ لوگ جس کو چاہیں گے اپنا صدر چن لیں گے۔

اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ قائداعظمؒ کی بصیرت نے گاندھی جی اور دیگر کانگریسی زعماء کی نیت بھانپ لی تھی، اور نتیجہ واضح ہے کہ جب مسلمانوں نے پاکستان کی تحریک سے دست کشی اختیار نہ کی تو رفتہ رفتہ کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو تحریک میں اپنی دلچسپی گھٹا دی۔"۱

یہ تھی حضرت قائداعظمؒ کی سیاسی بصیرت۔ قائدانہ صلاحیت اور مدبرانہ فکر و نظر۔ جو اس وقت برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وقف تھی۔ اور انہی کی امانت تھی، قائداعظمؒ مسلمانان برصغیر کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ نمائندے کی حیثیت سے اپنے فرائض کما حقہ، انجام دے رہے تھے۔ اور ان کے ان فرائض کی بجا آوری میں ذرا بھر لرزہ نہ پیدا ہوا۔ انہوں نے قیادت و امانت کی اتنی اعلیٰ ترین مثال قائم کی، جسے قیامت تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کے تاریخی جلسے میں آپ نے تقریر کے دوران فرمایا۔ "قومیت کی خواہ کچھ بھی تعریف کریں، مسلمانان برصغیر ہر تعریف کے رو سے ایک الگ قوم ہیں۔ اور اس بات کے حق دار ہیں کہ اس ملک میں ان کی اپنی ایک

علیحدہ مملکت اور جداگانہ خود مختار ریاست ہو' ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ یک جہتی' ہم آہنگی اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی' اخلاقی' تمدنی' اقتصادی' معاشرتی اور سیاسی زندگی کو اپنے ڈھنگ سے غور و فکر کرے اور ترقی و تعمیر کرے اور اس کے لیے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہتر ہو۔"

بمبئی پریذیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس کو ۲۶ مئی ۱۹۴۰ کو ایک تحریری پیغام میں حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا تھا۔ "قرار داد لاہور نے برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے ایک واضح اور صحیح نصب العین پیش کر دیا ہے' اس کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ کیونکہ نجات صرف اس کے حصول سے وابستہ ہے۔ ہم اس کے لیے آخری قطرہ خون تک اور آخری مورچہ تک لڑیں گے۔"

حضرت قائداعظمؒ کو اللہ تعالٰی نے ان کی زندگی میں ہی وہ مقام عزت و وقار عطا کر دیا تھا جو بڑے بڑے قائدین اور رہنماؤں کو نصیب نہ ہو سکا۔ ۹ دسمبر ۱۹۲۸ء کو بمبئی میں جناح ہال کا افتتاح ہوا۔ یہ ہال مسٹر جناح کی قومی خدمات کے صلے میں پبلک کی طرف سے بنایا گیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں جب لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی وہاں سے رخصت ہو کر جا رہے تھے۔ تو عوام کی طرف ایک سپاسنامہ پیش کرنے کی تجویز تھی مگر جناح نے سخت مخالفت کی' جس پر بہت ہنگامہ ہوا۔ تمام شہر کے باشندوں کی جب رائے لی گئی تو کامیابی مسٹر جناح ہی کی ہوئی۔ اسی سال جناح ہال فنڈ قائم کر کے اس عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کی تکمیل ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ ہندو مسلم مناقشات کے اس زمانے میں مسٹر جناح کی ہر دلعزیزی کا اندازہ مسز نائیڈو کے ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ جو انہوں نے افتتاح ہال کے وقت کہے تھے۔ جناح ہندو مسلم اتحاد کا پیغامبر ہے۔ اور ایک ایسی خوش نصیب شخصیت ہے جس کے ہم وطنوں نے اپنے وطن اور اس کے عین حیات ہی میں قدر کی ہے۔" ۲

مسز اینی بیسنٹ نے کہا تھا "جناح جیسی شخصیتیں بنی نوع انسان کی آزادی کے گلے کا ہار ہیں' جن کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔" ۳

مجھے یاد ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب میں پرائمری سکول میں پڑھتا تھا۔ میرے مرحوم والد جو تحریک پاکستان کے سرگرم رکن اور انتہائی محب وطن انسان تھے' جب کبھی کسی بڑے قومی لیڈر کی آمد پر جلسہ منعقد ہوتا تو وہ مجھے ضرور ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ انہی کی بدولت مجھے حضرت قائداعظمؒ کے قابل صد احترام ساتھیوں اور قابل اعتماد رفقاء کار جن میں نوابزادہ لیاقت علی خاں' سردار عبدالرب نشتر' خواجہ ناظم الدین' آئی آئی چندریگر' عبدالحمید دستی اور خان عبدالقیوم خان ایسے زعمائے کرام کی تقاریر سننے کا شرف نصیب ہوا' ان کے چمکتے دمکتے پرنور چہرے ابھی تک میرے قرطاس ذہن پر منقش ہیں۔ اک مرتبہ سردار عبدالرب نشتر مرحوم سرگودھا تشریف لائے۔ کمپنی باغ میں جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں سردار نشتر مرحوم نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"قیام پاکستان کے فوراً بعد 'کراچی میں ہم نے اپنی حکومت کا صدر دفتر قائم کیا' تو بیٹھنے کے لیے نہ کرسی تھی نہ میز' لکھنے کے لیے قلم نہ کاغذ' بے سروسامانی کا عالم' افراتفری کا سماں' لایقینی کا ڈیرہ' مہاجریں کے لٹے پٹے قافلے' قتل و غارت کا بازار گرم تھا' ہم سب کے چہرے مفہوم' افسردہ اور پریشان تھے' کہ اب کیا ہو گا۔ پاکستان کا نظام کیسے چلے گا' ہمیں دیکھ کر حضرت قائداعظمؒ بھانپ گئے اور انہوں نے اپنے مخصوص گرجدار لہجے میں ہمیں مخاطب ہو فرمایا'

"حضرات حالات خواہ کچھ بھی ہوں' کتنے دل آزار اور مایوس کن کیوں نہ ہوں لیکن آپ نے شکست نہیں کھائی' جس طرح آپ نے انگریزوں اور ہندوؤں سے شکست نہیں کھائی' اور اتنی بڑی سلطنت کو معرض وجود میں لا کر دم لیا۔" یہ فرمان یا حکم کیا تھا کہ بجلی کی طرح نازل ہوا۔ اور ہمارے دلوں میں وہ جوش ولولہ وہ جرات و

استقامت بھر گیا کہ ہمارا دل گواہی دینے لگا کہ اگر پہاڑوں سے ٹکرائیں تو انہیں پاش پاش کر دیں گے۔

ہمارا وطن عزیز جس دوراہے پر کھڑا ہے' اس سے کوئی بھی محب وطن پاکستانی رو گردانی نہیں کر سکتا۔ ہمارے ملک کا ایک حصہ جسے مشرقی پاکستان کا نام دیا گیا تھا' اپنوں اور بیگانوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ہم سے الگ کر دیا گیا' پھر قوم کو مجبور کیا گیا کہ "حقائق" کو تسلیم بھی کیا جائے۔ حضرت قائداعظمؒ نے تو اپنا سب کچھ قربان کر کے پاکستان قائم کیا تھا۔ اپنی صحت' اپنی کمائی' اپنی دولت' اپنا آرام و سکون ' اپنی ازدواجی زندگی سب کچھ اپنی قوم کے لیے وقف کر رکھا تھا' مسلمانان ہند کی آزادی و خود مختاری کے لیے جان کی بازی تک لگا دی تھی' وہ اتنی بڑی آزاد مملکت دے گئے۔ مگر ہم نے اسے مضبوط و مستحکم بنا لینے کی بجائے اس کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ جذبہ تعمیر پاکستان اتنا عروج و کمال حاصل کرتا کہ کوئی ایسا قائد پیدا ہوتا جو کشمیر کو پاکستان میں شامل کراتا' پھر ایک اور قائد ہوتا جو دھلی کے لال قلعے پر پاکستان کا پرچم لہرا کر دیتا' پاکستانیوں کو ایک وسعت پذیر پاکستان ملتا' مگر افسوس کہ حضرت قائداعظمؒ کے رحلت فرما جانے کے بعد ہمیں آج تک قائداعظمؒ کے پائے کا قائد نصیب نہ ہو سکا' اور نہ ہی ان مقاصد کی تکمیل ہو سکی' جس کا اظہار قرار داد پاکستان میں کیا گیا تھا' حصول پاکستان کے معانی اور مفاہیم ہی یکسر ذہنوں سے محو کر دیے گئے۔ اغراض باقی رہیں اور مقاصد بھلا دیئے گئے۔

ہمیں اس تلخ حقیقت کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہمارے ہمسائے نے ابھی تک ہمارے اسلامی تشخص و وجود کو تسلیم نہیں کیا ہے' وہ ہر لمحہ ہاتھی کے دو کان جو کٹ گئے تھے' باہم جوڑنے کے درپے ہے' وہ اس تاک میں ہے' کہ پاکستان کو کس وقت زک پہنچائے اور اسے مہابھارت کا حصہ بنا لے۔ لدھیانہ میں ۱۹۴۱ء میں "اکھنڈ بھارت کانفرنس" کا انعقاد ہوا۔ جس کی صدارت مسٹر منشی نے کی تھی۔ اپنے صدارتی

خطبہ میں اس نے کہا تھا "آپ کو معلوم ہے کہ نظریہ پاکستان کا مفہوم کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ " مسلمان اپنے لیے ایسے مساکن بنائیں۔ جہاں زندگی اور طرز حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے' اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے' مختصر الفاظ میں یوں سمجھیں کہ پاکستان مسلمانوں کا ایسا خطہ ارضی ہو گا جس میں اسلامی حکومت قائم ہو گی' ہندو قوم خواہ کتنی ہی بزدل اور غیر منظم کیوں نہ ہو وہ کبھی اسے برداشت نہیں کر سکتی کہ مسلمان اس قسم کی حکومت قائم کر لیں۔ اس حکومت میں ہندو قوم کے افراد شمشیر و سنان کا نشانہ بنائے جائیں گے۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری اور ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی ہو گی۔" ۴

ہندو کی پکار یہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنی الگ مملکت قائم کر لی تو خیر' لیکن ہم (ہندو) اسے برداشت نہیں کر سکیں گے' کہ وہ وہاں اسلامی مملکت اور حکومت قائم کر لیں۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد' ہندوستان ٹائمز نے اپنے ایک اداریہ میں لکھا تھا۔ "پاکستان بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں میں اتنا خوف و ہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے راہنماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں' اگر کشمیر کا مسئلہ پرامن طریق سے حل ہو جائے اور پاکستان اسلامی سٹیٹ کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے' تو اس سے پاکستان اور بھارت' ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔" ۵

یہ تھے وہ نظریات و تصورات جو ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اپنائے ہوئے تھے۔ اور تاحال یہی حال ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہمارے لیے ضروری ہے' کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو یہ بتائیں کہ ہم نے ہندو سے کیوں علیحدگی کا مطالبہ کیا اور پاکستان کیوں معرض وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ نظریہ پاکستان کے بارے میں نوجوانان

ملت کو آگاہ کرنا ضروری ہے' کیونکہ نظریہ پاکستان ہی درحقیقت پاکستان کے وجود کا باعث بنا تھا۔

حضرت قائداعظمؒ نے قرار داد پاکستان کے تاریخی جلسے کو ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ہم ہندوستان میں رہتے ہیں لہٰذا قدرتی بات ہے' کہ ماضی میں ہمیں بہت سے تجربات ہوئے ہیں۔ خصوصاً کانگریس کے زیر حکومت صوبوں میں اس کے گذشتہ ڈھائی سالہ دور حکومت کے تجربات سے تو ہمیں بڑے بڑے سبق حاصل ہوئے ہیں۔ اس لیے اب ہمارے دل میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہو گئے' اور ہم کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتے' میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کے لیے دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ کسی پر بھی حد سے زیادہ اعتماد نہ کیا جائے' بعض اوقات ہم لوگوں پر بس آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر لیتے ہیں لیکن جب عملاً ان سے سابقہ پڑتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اعتماد کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کسی بھی شخص کے لیے اتنا ہی سبق کافی ہونا چاہیے کہ وہ ان لوگوں پر اعتماد کرتا نہ چلا جائے' جنہوں نے اسے دھوکہ دیا ہے۔"

ہماری نوجوان نسل کو جس نے تعمیر پاکستان کا فریضہ انجام دینا ہے ہندو کی اجتماعی نفسیات اور ہندو کی ذہنیت سے آگاہ رکھنا' ہمارے قائدین کرام اور اساتذہ کرام کا فرض اولین ہے' اگر وہی نظام ہمارے ملک میں رائج ہو جاتا جو مطالبہ پاکستان کا اصل محرک و مقصد تھا' جس کے نفاذ کے بارے میں ہم عرصے سے کہتے چلے آ رہے ہیں' تو قوم کے افراد میں شکوک و شبہات کبھی جنم نہ لیتے' خصوصاً جوان نسل کے قلب و دماغ میں اضطراب اور گمراہ کن نظریات در نہ آتے' ---- یہی سبب ہے کہ ہمارے موجودہ انتخابات ۱۹۸۸ء میں جمہوری عمل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بعد مکانی جس میں اسلامی روح کی وجہ سے قرب روحانی جلوہ گر ہونا چاہیے تھا۔ اس نے محرب مکانی میں بعد روحانی کے جلوؤں کو آشکار کیا ہے۔

ہمیں آج بھی کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے، جس کا اسلام سے تعلق محض سیاسی نہ ہو، جس کا عشق رسولؐ سچا اور پکا ہو، وہی اس کی خیر خواہی اور خدمت وہی کر سکے گا۔ جو شمع رسالتؐ کا پروانہ ہو گا، اس ملک کی تعمیر و ترقی اور سالمیت و استحکام وہی کر سکے گا۔ جس میں ہوس جاہ موجود نہ ہو گی۔ امینؐ کی امت کے لے مرد امین کی ضرورت ہے۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم نے صحیح تو فرمایا تھا۔

یاد کر وہ دن ملی تھی وہ امانت پھر ہمیں
جنت گم گشتہ یعنی سلطنت اسلام کی
اس امانت کی حفاظت کے لیے پیش خدا
پھر قسم کھائی تھی۔ ہم نے مصطفےٰؐ کے نام کی

# حوالہ جات


۱۔ قائداعظمؒ کا مطلوب ...... وسعت پذیر پاکستان تحریر: پروفیسر محمد منور مرزا، روزنامہ نوائے وقت ۲۵ دسمبر ۱۹۸۹ء

۲۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنف: عبدالوحید خان صفحہ نمبر ۱۶۸

۳۔ ہمدرد ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ نمبر ۷

۴۔ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۴۱ء

۵۔ ہندوستان ٹائمز ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء

# حضرت قائداعظمؒ اور مسئلہ کشمیر

کلیم اختر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ "مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے لکھا ہے کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی قائداعظمؒ کی زبان پر کشمیر کا ذکر تھا اور اس بات کی تصدیق قائداعظمؒ کے دونوں معالجین کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش اور ڈاکٹر سید ریاض علی شاہ نے بھی اپنی اپنی یاد داشت میں کی ہے۔ بلکہ ریکارڈ پر یہ بھی موجود ہے کہ وفات سے چند روز قبل قائد نے محترمہ فاطمہ جناح سے کہا کہ آج مجھ سے کشمیر کمیشن نے ملنے آنا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آئے' محترمہ فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ اس سے قبل ایسی کوئی میٹنگ نہیں تھی' اس سے عیاں ہوتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ قائداعظمؒ کے دل و ذہن میں جاگزین ہو چکا تھا۔ کشمیر حضرت قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا اور آپ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا۔

"کشمیر کا مسئلہ نہایت نازک ہے۔ لیکن اس حقیقت کو کوئی انصاف پسند قوم اور ملک نظر انداز نہیں کر سکتا کہ کشمیر تمدنی' ثقافتی' جغرافیائی معاشی اور سیاسی طور پر پاکستان کا حصہ ہے۔ جب بھی اور جس نقطہ نظر سے بھی نقشہ پر نظر ڈالی جائے گی یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کشمیر سیاسی اور دفاعی حیثیت سے پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کوئی ملک اور قوم اسے برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہ رگ کو دشمن کی تلوار کے نیچے دے دے۔ کشمیر پاکستان کا ایک حصہ ہے۔ جسے پاکستان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے

یہ کہتے ہوئے قطعاً ہچکچاہٹ نہیں کہ ریڈکلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ گورداسپور کے ایک ایسے حصے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا محض اس لیے ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے۔ پاکستان نے ریڈ کلف کو دیانت داری سے تسلیم کیا تھا۔ لیکن ہندوستان کی نیت میں شروع سے ہی فتور تھا۔ اسی فتور کا مظہر کشمیر کا جھگڑا ہے۔"

قائداعظمؒ محمد علی جناح نے متذکرہ صدر بیان میں مسئلہ کشمیر کے پیدا ہونے کی وجہ، کشمیر اور پاکستان کے متعلق اور پاکستان کے لیے کشمیر کی افادیت کو اجاگر کر دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جموں و کشمیر پاکستان کا جزو لاینفک ہے چنانچہ جب تک قائداعظمؒ کے دم میں دم رہا آپ کشمیر کے لیے بے چین رہے۔ علامہ اسد ملتانی مرحوم نے ایک بار لکھا تھا

شاعر مشرق نے پاکستان کا دیکھا تھا خواب
قائداعظمؒ نے سامان کر دیا تعبیر کا
قائداعظمؒ رہیں گے خلا میں بھی بے قرار
حل نہیں ہوتا جب تک مسئلہ کشمیر کا

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آزاد کشمیر حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ قائداعظمؒ محمد علی جناح نے اس جہاد کی حمایت کی بلکہ پاکستان کی افواج کے اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی کو حکم دیا کہ ریاست پر حملہ کر دیا جائے کیونکہ دوسری طرف بھارت ریاست میں اپنی فوجیں داخل کر چکا تھا۔ لیکن جنرل گریسی نے سپریم کمانڈر انچیف سر آکنلک کے حکم پر یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ دراصل یہ سب کچھ لارڈ مونٹ بیٹن کی ہدایت پر ہو رہا تھا۔ جسے بھارت نے اپنا گورنر جنرل بنا لیا تھا۔ اور یہی وہ پہلا شخص تھا جو ۳ جون ۱۹۴۷ء کے بعد پہلے کشمیر گیا تھا۔ اور مہاراجہ کشمیر کو بھارت کے ساتھ الحاق کا مشورہ دیا تھا۔ بہرحال جنگ کشمیر کے نتیجے میں بھارت سلامتی کونسل

میں گیا اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ رائے شماری قرار پایا۔ قائداعظمؒ اپنی علالت کے باعث کراچی سے زیارت میں منتقل ہو گئے۔ اور بستر علالت پر بھی کشمیر کو یاد رکھا۔ آج قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حکم کی ہدایت پر وادی کشمیر کے نوجوان سروں پر کفن باندھے میدان کار زار میں ہیں اور بھارت کی افواج سے نبرد آزما ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب بھارت جموں و کشمیر کو خالی کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور خلا میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی بے قرار روح کو قرار آئے گا اور جموں کشمیر پاکستان کا ناقابل تسخیر حصہ بن جائے گا۔"۱

فیاض احمد نے خوب کہا ہے۔

هم وادی کشمیر کے غیور جوان ہیں
ہم محرم طوفان نہیں خود اک سیل روان ہیں
فیاض مٹا ڈالیں کے اعدائے وطن کو
خون دے کے جوانی کا نکھاریں گے چمن کو
ہم سر بکفن جان منزل پہ رواں ہیں
ہم وادی کشمیر کے غیور جوان ہیں

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے دوران مسلمانوں کے باب میں جو جو زیادتیاں اور ناانصافیاں انجام دیں ایک طویل دلدوز داستان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مسلمانان برصغیر کی آزادی و خود مختاری انہیں ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی وہ تو دراصل ہندوستان بھیجے ہی اس لیے گئے تھے کہ وہ مطالبہ تقسیم ہند کو کسی نہ کس طرح سے ختم کر دیں لیکن مسلمانان برصغیر کے آزادی کے مطالبے کے سیلاب کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دل سے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ برصغیر کی تقسیم ناگزیر ہے جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو دھلی میں بطور وائسرائے متعین ہو کر آئے تو جب بھی تقسیم ہند کے علاوہ گفتگو ہوئی تو اس کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دیجاتی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور

کانگریس نے دل پر پتھر رکھ کر تقسیم ہند کو تسلیم کیا لیکن کانگریس اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن میں یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ تقسیم ہند کے ضمن میں آزاد ہونے والی ریاستوں کو آزاد نہیں رہنے دیا جائے گا اور انہیں انڈین یونین میں ہر صورت میں شامل کیا جائے گا حالانکہ ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا کہ برطانیہ کے اقتدار و اختیار کے خاتمے کے ساتھ ریاستوں سے استوار شدہ معاہدات ختم ہو جائیں گے یعنی ریاستیں از سر نو آزاد ہو جائیں گی چنانچہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریسی لیڈروں سے جس محبت وہ مروت کا ثبوت فراہم کیا اور جس سنگدلی کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ روائتی تعصب' ذاتی دشمنی اور عناد کا ثبوت فراہم کیا ہے وہ تاریخ برصغیر کا ایک المناک حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ حیدر آباد' جودھ پور' ٹراونکور' جیسلمیر' بیکانیر اور میسور کے ساتھ کیا کچھ ہوا اور کس ڈھٹائی کے ساتھ انڈین یونین میں الحاق کر دیا گیا ایک علیحدہ مفصل دلخراش داستان ہے۔

جب تقسیم ہند کا اعلان ہو گیا تو حیدر آباد' ٹراونکور اور میسور کی طرف سے بیان ہوا کہ وہ کسی ڈومین میں بھی شامل نہ ہوں گی بلکہ آزاد رہیں گی۔ راجپوتانہ کی ریاستوں نے باہم نامہ و پیام کر کے متحدہ محاذ بدل لینا چاہا ہندو رہنما یہ دیکھ کر گھبرائے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاس فریاد کرنا شروع کی۔ وی پی مین تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سر پر سوار تھے ہی نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دھلی میں مہاراجوں اور نوابوں سے خطاب کیا اور دھمکی کے لہجے میں فرمایا کہ "آپ اپنی ہمسایہ ڈومین سے بھی اس طرح فرار اختیار نہیں کر سکتے۔ جس طرح رعایا کی دیکھ بھال اور فلاح و بہبود سے بھاگ جانا آپ لوگوں کے بس میں نہیں۔ اچھی طرح غور کر لیجیے۔"

بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ ماؤنٹ بیٹن نے ٹراونکور کے دیوان سے سر سی۔ پی آئینگر کے ساتھ خود بحث و مباحث کیا اور ٹراونکور کے الحاق کا مسئلہ طے کرا دیا دوسری طرف مسٹر چین کار وزیر اعظم سے (جو ہندوستان کو ہاتھی اور پاکستان کو صرف کان دیکھنا

چاہتے تھے) مہاراجہ بیکانیر کو ورغلایا اور الحاق کا اعلان کرا دیا۔ مسٹر پین کار ہندوستانی امور سیاست کا ماہر اور گھاگ شخص تھا۔ بیکانیر کے الحاق سے راجپوتانہ کی ریاستوں کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ وی پی مینن اپنی کتاب (ہندوستانی ریاستوں کے الحاق کی داستان) میں لکھتے ہیں کہ "ایک اور سبب جس نے والیان ریاست کو مسخر کیا لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جاذب شخصیت اور فطرہ خوش تدبیری تھی۔ انہیں ہندوستان سے جس قدر محبت تھی کہ انہوں نے بصد رغبت والیان ریاست سے الحاق کے مسئلہ پر گفت و شنید کی یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ انہوں نے اس نازک موقع پر ہندوستان کی جو خدمت کی' ہندوستان اسے کبھی بھلا نہیں سکتا۔" ۲

کشمیر کے المیے کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد منور مرزا لکھتے ہیں کہ کشمیر کا حشر کیا ہوا کس کے ہاتھ ہوا؟ اس ضمن میں سٹیفنز کی کتاب

کا ایک باب "المیہ کشمیر" ہی کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔ سٹیفنز "سٹیٹ مین" کا ایڈیٹر تھا اور وہ وائسرائے پر زور دیتا رہا کہ برطانوی تاج کا نمائندہ ہونے کی باعث اس کا فرض ہے کہ دونوں مملکتوں کے حق میں منصفانہ طریق عمل اختیار کرے۔ ماؤنٹ بیٹن کو یہ بات تکلیف دیتی تھی۔ تقسیم کے بعد جب ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کشمیر کے ضمن میں الٹے سیدھے مشورے ہو رہے تھے تو اس نے ایڈیٹوریل لکھ کر ماؤنٹ بیٹن کو خبردار کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے کبھی گرفتار کرنے اور کبھی ہندوستان نے باہر نکال دینے کی دھمکی دی اور آخر یہی ہوا۔ وہ ہندوستان سے بھاگ گیا۔

پنجاب کی تقسیم جس نہج پر ہوئی تھی وہ ظاہر ہے خصوصاً گورداسپور کے ضلع سے متعلق جو غداریاں ہوئی محتاج بیان نہیں۔ کشمیر کو مونٹ بیٹن ہر قیمت پر ہندوستان کے حوالے کرنا چاہتے تھے آپ کو یاد ہو گا کہ ۱۹ جون سے ۲۲ جون تک مونٹ بیٹن کشمیر میں مقیم رہے اور وہاں سے مہاراجہ ہری سنگھ سے ایک سے زیادہ بار ملے۔ مونٹ بیٹن کے اس دورے کے بعد کانگریسی زعماء کشمیر کی سمت بڑھتے چلے گئے۔ ان لوگوں

میں گاندھی اور کرپلانی شامل تھے۔ علاوہ ازیں اسی عرصے میں مہاراجہ پٹیالہ، جنید اور نابھ کو کشمیر بھیجا گیا اس ضمن میں دیکھیے سر فرانس ٹکر کی کتاب

اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جونا گڑھ کی پاکستان میں شمولیت نا درست تھی اگر جودھ پور اور جیلیمر کا پاکستان کے ساتھ الحاق غیر صحیح تھا اور جن اصولوں پر غیر صحیح تھا وہ اصول آناً فاناً کشمیر کے ضمن میں رد کر دیئے گئے۔اس بات کا جواب مونٹ بیٹن ہی کا دیانت دار ضمیر دے سکتا ہے۔

سٹیفنز لکھتے ہیں کہ "کشمیر کو ہندوستان میں الحاق کرنے کی کوشش سے گویا ہندوستان کی بنیادی لائحہ عمل ہی کا پتڑا کیا جا رہا ہے وہ لائحہ عمل جو ۳ جون کے اعلان میں طے پایا تھا یہ تھا کہ ہندوستان کو ہندو اکثریت اور مسلمان اکثریت والے علاقوں میں بانٹ دیا جائے گا مگر اب ایک ہندو مہاراجہ کی رضا اور ایک برطانوی جنرل کی شہ پر تیس لاکھ مسلمانوں کو (اب ایک کروڑ تیس لاکھ) جو ایک ایسے منطقے میں رہتے ہیں جسے ہمیشہ پاکستان کا اس کے وجد میں آنے کی صورت میں ضروری حصہ سمجھا جاتا تھا قانونی طور پر ہندوستانی شہری بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" ۳

تاریخ نے ثابت کیا کہ کشمیر مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ ہے اس خطے میں ہندوستان نے مکمل جارحیت، کھلی سازش اور ظلم و ستم سے زبردستی اس خطے کو اپنے علاقے میں شامل کیا۔ یہ وہ علاقہ تھا جسے تقسیم ہند کے وقت پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا۔

کشمیر کے ضمن میں حضرت قائداعظمؒ نے واضع طور پر فرمایا تھا کہ "کشمیر کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جسے آپ اپنے زور بازو ہی سے حل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہو گا۔" کشمیر کے مسئلے کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے قائداعظمؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "میں اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش ہے اور میرے کچھ کہنے سے حالات خراب ہو سکتے ہیں۔" ۴

"قائداعظمؒ لاہور میں قیام کرنے کے بعد کراچی چلے گئے تھے لیکن اکتوبر کے آخر میں دوبارہ لاہور آنا پڑا۔ کراچی میں قیام کے دوران انہیں کشمیر کے وزیر اعظم کی طرف سے ایک تار ملا جس میں کہا گیا تھا کہ کشمیر کی سرحد کے پاکستانی لوگ حالات خراب کر رہے ہیں۔ اگر یہی صورت حال رہی تو کشمیر کی حکومت ایسے معاملات کو درست کرنے کے لیے باہر سے مدد طلب کرے گی۔ باہر سے مدد کا واضح مقصد ہندوستان کی مدد کا تھا۔ قائداعظمؒ نے جواباً تار بھیجا کہ اگر کشمیر کی حکومت کسی طرح کی شکایت ہے تو حکومت پاکستان غیر جبدارانہ انکوائری کرانے کے لیے تیار ہے۔ مہرچند مہاجن کو پنڈت رام چند کاک کی جگہ پر وزیراعظم بنایا ہی اس مقصد کے لیے گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے لیے راستہ ہموار کرے گا پہلے تار کاجواب کا کوئی ذکر نہ کرتے ہوئے ۱۸ اکتوبر کو پھر احتجاجی تار بھیجا جس میں باہر کی مدد طلب کرنے کی دھمکی دوبارہ دی گئی تھی۔ قائداعظمؒ نے ۲۰ اکتوبر کو تار کے جواب میں تار دیا جس میں کہا گیا تھا کہ باہر سے مدد طلب کرنے کی دھمکی کا واضح مطلب یہ ہے کہ کشمیر کی حکومت کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ ایک زبردست اقدام کے ذریعے انڈین یونین کی مداخلت اور مدد حاصل کر کے اس کے ساتھ الحاق کر لیا جائے۔ یہ پالیسی قدرتی طور پر آپ کی رعایا کے اندر جس میں ۸۵ فیصد مسلمان ہیں، ناراضگی اور سخت خدشات پیدا کر رہی ہے۔ میری حکومت نے آپ کی حکومت کے کسی معتبر نمائندے کی جو تجویز پیش کی تھی وہ ایک اہم ضرورت ہے۔" ۵

"۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جو برصغیر کی تقسیم کے نفاذ کا دن تھا دوسری ریاستوں کی طرح ریاست جموں و کشمیر بھی قانون استقلال کی رو سے آزاد تھی اور اس کو اختیار حاصل تھا کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرے یا بھارت کے ساتھ یا خود مختار رہے مگر اس قانون کا منشا اور تقاضا یہی تھا کہ جو ریاست اس مملکت کے ساتھ الحاق اختیار کرے جو اس سے متصل ہو اور دوسرے حالات کے اعتبار سے اس کے اور مملکت کے

درمیان موافقت اور یگانگت ہو۔ جغرافیائی اعتبار سے ریاست جموں و کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ پاکستان اور کشمیر کی سرحد کئی سو میل مشترک ہے۔ اس کے تمام دریا پاکستان میں بہتے ہیں اس تمام تجارتی شاہراہیں پاکستان سے گزرتی ہیں۔ کشمیری اور پاکستان سلا" ایک ہیں۔ مذہب اور تمدن ایک ہے۔ جموں و کشمیر کی ۸۰ فیصد آبادی مسلمان ہے لیکن اس کے باوجود لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریڈ کلف کے ساتھ ساز باز کر کے بھارت کے لیے کشمیر میں جانے کا راستہ اس طرح پیدا کیا کہ بعض وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، کانٹ چھانٹ کر کے بھارت کو دے دیئے۔"۶

یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان کشمیر کو حق خود ارادیت ضرور دلائے گا کیونکہ یہ بغیر زور بازو حاصل نہیں ہو گا۔

پروفیسر الیف الدین ترابی لکھتے ہیں کہ "مجاہدین کا ایک بڑا ہدف ریاست کے طول و عرض میں سرکاری سرپرستی میں قائم ہزاروں کی تعداد میں شراب خانے، بے حیائی کے اڈے اور ویڈیو سنٹر ہیں اس لیے کہ مجاہدین کے نزدیک ان کا مقصد اسلامیان کشمیر کو اپنے دین و ایمان اور تہذیب و تشخص سے بیگانہ کر کے بھارت سامراج کے استعماری مقاصد کے لیے تر نوالہ بنانا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی شراب خانہ یا بے حیائی کا اڈا ویڈیو سنٹر ان کی سرگرمیوں کا ٹارگٹ بنا رہتا ہے جس کی وجہ سے ان مذموم کاروبار میں ملوث لوگ تیزی سے اپنے کاروبار سمیٹ رہے ہیں۔ مجاہدین نے انہیں زیادہ سے زیادہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء تک مہلت دی تھی لیکن ان لوگوں نے اس مہلت میں مارچ ۱۹۹۰ء تک توسیع کرنے کی اپیل کی ہے۔

اس تحریک مزاحمت کا ایک بڑا ہدف ریاست میں بھارت کی تباہ کن ثقافتی یلغار کے نتیجے میں تیزی سے زور پکڑتے ہوئے بے حیائی اور بے پردگی کے سیلاب کے سامنے بند باندھنا بھی ہے۔ اس مقصد کے لیے کچھ عرصہ پہلے مسلمان خواتین کی تنظیم "دختران ملت" اور حزب اسلامی کے زیر اہتمام ایک باقاعدہ مہم شروع کی گئی تھی کہ

اپنے گھروں سے نکلتے وقت اپنے سروں پر دوپٹے اوڑھ لیا کریں۔ اس موقعہ پر ریاست کے تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں کچھ اس طرح کے بینر اور پوسٹر آویزاں کیے گئے تھے کہ "گھر سے نکلنا ہو تو چادر اوڑھ کر نکلیں' ننگے سے نکلنا غیر اخلاقی اور غیر اسلامی ہے۔" ۷

مقبوضہ کشمیر کے موجودہ سیاسی حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی درندوں نے کشمیری مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے اور ظالمانہ اور تشدد پسندانہ اقدامات کی تاریخ دھرائی جا رہی ہے۔ جب پاکستان معرض وجود میں آ رہا تھا ۴۲ برس کے بعد کشمیری مسلمانوں نے عالم انسانیت کی توجہ اپنے بنیادی حق "حق خود ارادیت" کی طرف مبذول کرائی ہے جو ان کا پیدائشی' شہری او سیاسی حق ہے۔ ایک جب کہ پوری کائنات میں اسلام کی نساۃ ثانیہ کے دور کا آغاز ہو رہا ہے مسلمان جہاں جہاں بھی ہیں انشاء اللہ بیدار ہوں گے اور آزادی کا علم تھامے استبدایت کے پہاڑوں سے ٹکرا جائیں گے۔ یہ صدی امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کی صدی ہے لہٰذا مسلمان حریت پسندوں کی تگ و تاز آزادی کو دنیا کی کوئی طاقت دبا نہیں سکتی۔ افغانستان کے حریت پسندوں کے احوال ہمارے سامنے ہیں۔ انہوں نے سپر طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آزربائیجان کے مسلمانوں کی آزادی و خود مختاری اپنا رنگ لا رہی ہے اور انشاء اللہ چند سالوں میں روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

ہندوستان کے اندر جو سیاسی کیفیات اور احوال اس وقت کارفرما ہیں وہ بھی کائنات کے جملہ سیاسی احوال سے بالکل ہم آہنگ ہیں۔ صرف کشمیری مسلمان ہی آزاد نہیں ہوں گے بلکہ بے شمار قومیتیوں پر منحصر ہندوستان کے بھی ٹکڑے ہوں گے اور یہ انشاء اللہ عن قریب ہونے والا ہے۔

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ہمیں کشمیر کے مسلم اکثریتی علاقے ہونے کے سبب سے کہ جب سے تحریک پاکستان شروع ہوئی تھی

کشمیر ہمارے نقشہ پاکستان کا حصہ تھا' اور لوح ذہن پر جس طرح کشمیر پاکستان کا چہرہ اور سر تھا۔ وہ ہماری اجتماعی نفسیات میں شامل ہو چکا تھا اور تاحال ہے۔ اس لیے ہم پاکستانی مسلمانوں کے لیے کشمیر پر بھارت کا قبضہ یقیناً مخالفانہ قبضہ تھا۔ ہمارے ذہن اور قلوب یہ برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے کہ کشمیر کسی دوسرے کا ہے' دوسری طرف ہندو قوم جو سرے سے پاکستان کے وجود کو صفحہ ہستی سے محو کرنے کو اپنے دھرم کا حصہ جانتی تھی وہ کیونکر گوارا کرتی کہ پاکستان کو الٹا تقویت پہنچے اور اس کی بقا مضبوط تر بنیادوں پر استوار ہو جائے لہٰذا بھارت کو کشمیر کی جنگ نے بہت ستایا تھا۔ ہم نے جن حالات میں جنگ لڑی تھی ان حالات کا مقابلہ بھارت کی بھرپور فوجی قوت سے کریں تو بھات کی کشمیر میں شکست بھارت کے لیے واقعی شرمندگی اور قلق کا باعث تھی اور بھارتی فوجوں کو داغ شرمندگی دھونے کے لیے موقع کی تلاش تھی بارہ برس کے بعد کشمیر کی شرمندگی کا اثر بھارتی فوجوں کے دلوں سے دور کرنے کے لیے پنڈت جواہر لال نہرو نے بھارتی فوجوں کے قائدین کو باضابطہ حکم دے دیا کہ نیفا کے ارد گرد کے فلاں فلاں علاقے چین سے چھین لیے جائیں۔ پنڈت جی یہ حکم دے کر بیرون ہند کسی دورے پر نکل گئے وہ مطمئن تھے کہ لالائی عساکر کے لیے یہ مہم بائیں ہاتھ کا کھیل ثابت ہو گی لیکن ہوا یہ کہ نماز بخشوانے گئے تھے نفل بھی گلے پڑ گئے۔ چینیوں نے اپنے زیر قبضہ رقبہ بھارتیوں کے حوالے کرنے کے بجائے الٹا انہیں مار بھگایا۔ اور بہت سارا رقبہ بھی چھین لیا جس پر بھارت اس وقت قابض تھا۔ بھارتی عساکر کی بہت توہین ہوئی۔ تمام لالہ زار ہند چونگ اٹھا بلکہ چیخ اٹھا۔ لہٰذا امریکہ اور برطانیہ نے بھارت کو مدد دینے کے لیے فضا میں اسلحہ بردار طیاروں کے پل باندھ دیئے۔ مگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ دنیا میں بھارتی فوجوں کی جو بھد اڑنا تھی وہ اڑ گئی اب امریکی اور برطانوی اسلحہ اس ذلت آمیز شکست کو فتح میں تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔" ۸

اب جب کہ ہندوستان کی افواج کی بھاری اکثریت کشمیر میں مسلمان کشمیری نہتے

حریت پسندوں پر مظالم ڈھا رہی ہے۔ ان کی فوجی کمینگی اور بزدلی کی عکاس ہے۔ مسلمان کشمیریوں پر عرصہ حیات تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔ گھروں کو آگ لگائی جا رہی ہے۔ ان کے کھیتوں کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ باغوں کو برباد کر دیا جاتا ہے۔ کیا کیا مظالم نہیں ہیں جنہیں بھارتی درندوں نے روا نہیں رکھے۔ ایک حالیہ اخباری رپوٹر کے مطابق جو ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۰ء نوائے وقت میں شائع ہوئی جس کے مطالعے سے دل لرز جاتے ہیں۔ اس میں لکھا گیا۔ کہ "مقبوضہ بھارتی کشمیر میں بھارت بے حرمتی کے واقعات پر سخت نفرت اور اشتعال پھیل رہا ہے۔ گذشتہ جنوری سے مقبوضہ کشمیر میں تشدد کے واقعات کے تدارک فوج اور سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں مسلم خواتین کی بے حرمتی کے متعدد واقعات سامنے آئے ہیں۔ السٹرٹیڈ و یکلی آف انڈیا نے اپنی رپورٹ میں عینی شاہدین کے حوالے سے مسلم خواتین کے ساتھ زبردستی زیادتی کے واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک تصویر میں باوردی فوجی کو خوفزدہ اور سہمی ہوئی عورتوں کے ساتھ دکھایا گیا ہے اور مصافات کے لوگوں کی زبانی متعدد ناگفتنی کہانیاں لکھتی ہیں۔ سرینگر کے زیریں علاقے لال بازار کے ایک باعزت مسلم گھرانے کی تین نواجون لڑکیوں کو زبردستی چھاؤنی میں لے جایا گیا اور ان کے ساتھ زبردستی زیادتی کرنے کے بعد دو راتوں کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ سرینگر کے شمال میں ۹۰ کلو میٹر دور کپواڑہ کے پہاڑی اور جنگلات کے علاقوں اور تری کام اور دیگر علاقوں میں بھی مسلمان گھرانوں کی خواتین اور لڑکیوں سے زیادتی اور ظلم و ستم کو المناک داستانین وادی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے نگواڑہ محلّہ کی ۱۸ سالہ ممتاز کے ساتھ جو شرمناک تشدد کیا گیا اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس کے بائیں رخسار سے گوشت نوچ لیا گیا اور س کے کپڑے پھاڑ دیئے گئے۔ چنانچہ اس محلے کے خاندان خوف سے علاقہ چھوڑ کر دور دراز دیہات میں چلے گئے تھے اب چار ماہ بعد واپس آئے ہیں۔ ایک اور ۱۸ سالہ مسلمان لڑکی سے مجاہدین کے بارے میں پوچھنے کے لیے اسے درخت سے الٹا لٹکایا گیا۔ بجلی کے جھٹکے دیئے گئے اور مار مار کے بے ہوش کر

دیا گیا۔ کپواڑہ کے گاؤں سرین سے ایک نوجوان جوڑے کو فوجی پکڑ کر لے گئے۔ شوہر کو درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا اور اس کی بیوی کے ساتھ بھارتی فوجیوں نے زیادتی کی۔ ایک اور شرمناک واقعہ بیان کرتے ہوئے میگزین نے بتایا ہے کہ ۲ اگست کو پازی پورہ سے بارہ خوفزدہ خواتین بھاگ کر نواحی بستی بالی پورہ میں پہنچیں تو بھارتی فوجی کتوں کی طرح ان کے پیچھے پہنچ گئے' اور ان عورتوں کو پکڑ کر کھیتوں اور مویشیوں کے لیے بنائے گئے چھپروں میں لے گئے اور ان کے ساتھ زیادتی کی۔ بعد میں قریبی گاؤں کے لوگوں نے ان بدقسمت عورتوں کو کپڑے مہیا کیے اور پناہ دی۔ کپواڑہ ضلع کے ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے پاس پانچ خواتین لائی گئی ان سب کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی۔ ممتاز وانی ایڈووکیٹ نے بتایا ہے کہ کپواڑہ میں انہوں نے ویلگام تھانہ میں ۸ عورتوں کے ساتھ زیادتی کے مقدمات دراج کرائے لیکن اب مقامی ایس۔ ایچ۔ او پر ایس۔ پی دباؤ ڈال رہا ہے کہ ان چالانوں کو ختم کر دیا جائے۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ زبردستی زیادتی اور وارداتوں میں اضافے کی وجہ سے اب جدوجہد میں حصہ لینے والی عورتوں اور لڑکیوں نے چاقو چلانے اور "بومزنگ" (آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کا ہتھیار جو چکر کھاتا ہوا جاتا ہے اور لوٹ کر پھینکنے والے کے پاس آ جاتا ہے۔) کی تربیت حاصل کرنی شروع کر دی ہے بھارتی فوج کے ان شرمناک مظالم کی وجہ سے وہ خاندان جو اب تک بھارت کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اب وہ بھی مخالف ہو گئے ہیں۔ سرینگر کے ایک معروف ایڈووکیٹ ظفر شاہ نے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقتصادی اور معاشی بدحالی ہو تو کسی نہ کسی طرح مانگ تانگ کر گزارہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب اخلاقی اور روحانی زخم لگائیں تو پھر انتقام کے لیے لڑنا پڑتا ہے۔"

مسلمان کشمیری حریت پسند' سروں پر کفن باندھے بھارتی درندوں کے ساتھ برسر پیکار ہیں ان کے نظریں پاکستان کی غیور عوام پر لگی ہوئی ہیں کہ وہ کب ان کی امداد

کریں گے اور تعاون کا ہاتھ بڑھائی گے۔ لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ پاکستان کی طرف سے انہیں کسی قسم کی بامعنی امداد میسر نہیں ہے۔ ان کا جہاد جاری ہے، مگر نعرہ صرف یہ ہے کہ "کشمیر بنے کا پاکستان"

حکیم عبدالکریم ثمر (مرحوم) نے کیا خوب لکھا تھا۔

شعر

اٹھو حق کے نگہبانو تمہیں کشمیر لینا ہے
صنم شکنو جوانمردو اٹھو باندھو کفن سر پر
ہلالی سبز پرچم بھی رہے سایہ فگن سر پر
رجز پڑھتے ہوئے میدان میں سینہ سپر نکلو
سلاخ جنگ چومو پاسبانو جھوم کر نکلو

شعر

جہانگیرو جہانبانو تمہیں کشمیر لینا ہے
نگاہ عزم و ہمت سے فضا بدلو فضا سازو
غیور و حق پرستو شیر و شاہینو ہوا بازو
ہوا کا رخ بھی پہچانو تمہیں کشمیر لینا ہے
اٹھو حق کے نگہبانو تمہیں کشمیر لینا ہے

بھارتی افواج نے کشمیریوں پر جو جو مظالم کے پہاڑ ڈھا رکھے ہیں۔ جس جس تشدد و جبر سے ہمکنار کر رکھا ہے۔ ان اقدامات سے شاید بھارتی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ کشمیریوں کی غیرت و حمیت اور ان کے جذبہ جہاد کو ختم کر دیا جائے گا' یہ ممکن نہیں ہے۔ مسلمان کی قومی حمیت زندہ و پائندہ رہتی ہے۔ آزادی و خود مختاری کی لگن اور تڑپ ان کے قلوب میں سلگتی رہتی ہے' پھر ایک وقت ایسا بھی آتا کہ جب مالک الملک ' خدائے ذوالجلال ایسے انسان اور قوم دشمن آمروں اور آقاؤں کو سبق آموز اور

عبرت ناک انجام سے دو چار کر دیتا ہے۔ جن کے ذہن تنگ اور آسمان لعنت بھیجتا ہے۔ اس سلسلے میں دبایا جا سکتا ہے اور نہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ بالا آخر ہندوستان کو کشمیر خالی کرنا پڑے گا۔ ویت نامیوں نے امریکہ جیسی سپر پاور کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ افغانستان کے مجاہدین نے روس جیسی عظیم طاقت کو بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور کر دیا تھا تو کیا کشمیری مجاہدین ہندوستان کے چٹیا پرشادوں اور دھوتی لالاؤں کو عبرت ناک شکست نہ دے سکیں گے۔ انشاء اللہ "کشمیر بنے گا پاکستان۔"

# حوالہ جات


۱۔ نوائے وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۹۰ء مضمون : قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مسئلہ کشمیر تحریر : کلیم اختر

۲۔ The Story of the Integration of Indian States

By : V.P. Menon P. 122

۳۔ اردو ڈائجسٹ لاہور مضمون : جب پاکستان بن رہا تھا تو پنڈت مونٹ بیٹن نے کیا کیا' تحریر :

پروفیسر محمد منور مرزا

۴۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء یونیورسٹی گراؤنڈ' لاہور

۵۔ ظہور پاکستان مصنفہ : چوہدری محمد علی صفحہ نمبر ۲۹۲

۶۔ نوائے وقت لاہور مضمون : مقبوضہ کشمیر کی موجودہ صورت حال

تحریر : پروفیسر الیف الدین ترابی

۸۔ نوائے وقت ٦ ستمبر ۱۹۹۰ء مضمون ہندو کی اجتماعی نفسیات' کشمیر اور جنگ ستمبر

تحریر : پروفیسر محمد منور مرزا

# حضرت قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان کا تاریخ اور سیاسی پس منظر

حضرت قائداعظمؒ دنیائے سیاست کے ان قائدین میں شمار ہوتے ہیں جو اپنا مقام خالصتاً اپنی ذاتی محنت شاقہ سے پیدا کرتے ہیں' جن کے اعزہ و اقربہ میں عزت و توقیر کے لیے کوئی بڑا نام نہیں ہوتا' وہ ذاتی ہمہ گیر کاوشوں' شب و روز جان کاری سے اپنا نام پیدا کرتے ہیں' جو تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی قائدین سیاست کی فہرست میں حضرت قائداعظمؒ سرفہرست حیثیت کے مالک تھے' جنھوں نے اپنی بے پناہ ذہانت و فطانت اعلیٰ سیرت و کردار' بے مثال امانت و دیانت' لاثانی قومی و ملی خدمات اور لافانی ایثار و قربانی کے اعلیٰ ترین مثالیں پیش کی ہیں۔ حضرت قائداعظمؒ کو تاریخ نے نہیں' بلکہ حضرت قائداعظمؒ نے تاریخ تخلیق کی ہے۔ تاریخ انسانیت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی شخصیات کم کم پیدا ہوتی ہیں جو تاریخ کے دھاروں کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بدل کر رکھ دیتی ہیں' ایسی ہی نامور شخصیات میں ایک نام قائداعظم محمد علی جناحؒ بھی ہے۔ میں یہ بات لکھنے اور کہنے میں ذرا باک محسوس نہیں کرتا کہ حضرت قائداعظمؒ ایک بہت بڑے سیاسی مفکر بھی تھے' اور اسلامیان ہند کے لیے ان کی ذاتی اور قومی شخصیت اور سیاسی حیثیت باری تعالیٰ کی طرف سے ایک سیاسی پیامبر سے بھی

کم نہ تھی۔

دراصل برصغیرپاک وہند کی سیاسی تاریخ نے حضرت قائداعظمؒ کے قلب و ذہن پر خاصے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ادھر ایک طرف تاریخ اپنے گہرے سائے پھیلا رہی تھی، تو دوسری طرف ایک تاریخ ساز شخصیت تیار ہو رہی تھی، اور وقت ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا کہ آنے والے ادوار میں تاریخ سازی کے مراحل کیسے طے ہوتے ہیں۔

تاریخ ایک حقیقت ہے اور حقیقت کے آئینے کی طرح ہے جس سے کسی قوم کو اس کے ہر پہلو سے بخوبی دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی تخلیق کے سلسلے میں تمام مراحل ایک اچھوتی اور جان فزا تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ ثقافتی، مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور تمدنی مسائل جنہوں نے پاکستان کی تعمیر و تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اپنی نوعیت میں اچھوتے، انقلابی اور منفرد ہیں۔ پاکستان کی تخلیق ایک خاص نظریے پر ہوئی، پاکستان کی تخلیق جغرافیائی، نسلی اور عصبیتی بیناودں پر استوار نہیں کی گئی۔ لہٰذا پاکستان دنیا میں پہلا ملک ہے۔ جس کی تخلیق کی بنیاد کسی ایک مخصوص نظریے پر رکھی گئی ہو۔

عبد الوحید خان تحریر فرماتے ہیں۔

> "ہر ملک کی سیاست حاضرہ اپنے ماضی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ سیاسی انقلابات، قرنوں اور صدیوں بعد اپنی مستقل تاریخ مرتب کرتے ہیں پر آج زمانہ جس راستے پر گامزن ہے کل وہی قدم آئند گان کے لیے مشعل راہ ثابت ہو گا اسی طرح آج جو سیاسی حالت ملک میں رونما ہے۔ وہ نتیجہ ہے اپنے ماضی کے تاریخ واقعات اور گذشتہ زمانہ کے پیہم اور مسلسل انقلابات کا، اس لیے ہندوستان کی تاریخ ماضی پر بالخصوص گذشتہ تین سو سال کی سیاسی حالت پر محققانہ اور منصفانہ نظر ڈالی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ

سیاسی عمارت کی بنیاد سولہویں صدی میں پڑ چکی تھی۔ اگرچہ اس بیناو کا سامان اس وقت سے تیار ہونا شروع ہو گیا تھا جب عربی فاتحین سندھ کے زوال کا آغاز اور افغانی فوجوں کا رخ ہندوستان کی طرف ہوا تھا۔" ا

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مصنف عبدالوحید خان) صفحہ نمبر۲۱

جب مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد ہوئی تو تمام ہندوستان میں بت پرستی' باہمی آویزش' رزم آرائی اور تہذیب و تمدن کی عجیب صورت جلوہ گر تھی' ہندوستانی' ہندوستان سے باہر نکلنا ایک پاپ تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ باہر سے آنے والے کو "ملیچھ" اور "راکھشس" سمجھا جاتا تھا مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں پہنچ کر اس سرزمین کو اپنا وطن بنا لیا اور اس کی تعمیر و ترقی' عروج و کمال اور فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہو گئے' بلکہ یہاں بادشاہوں کے مجاہدانہ فلسفہ امن و آشتی اور عالمگیر نظریہ حیات نے ہندوؤں پر دور رس اثرات مرتب کیے۔

برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی' ثقافتی' سماجی' سیاسی تنظیم اور طریق فکر میں ایک امتیازی فرق تھا۔ یہ فرق اتنا انمٹ اور واضح تھا کہ اقوام عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ہندو جاتی ہزاروں قسم کی ذاتوں میں تقسیم تھی' ایک شخص ہندو پیدا ہونے کے باعث تمام عمر اعلیٰ اور ادنیٰ ذات میں پیدائش کی وجہ سے مقام اعلیٰ یا مقام ادنیٰ محدود رہتا ہے۔ ہندو سماج سے تعلق نہ رکھنے والا اچھوت کہلاتا ہے۔ اور غیر ہندو کو بالعموم ہندو مت میں شامل اور جذب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے برعکس اسلام میں رنگ و نسل' زبان و ثقافت' نظریات و روایات' تاریخی واقعات و حادثات اور فکر و عمل کا تصور بالکل مختلف انداز میں موجود ہے' اسلام میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رحمانیت پر ایمان محکم کے علاوہ خدائے وحدہ لاشریک کی اطاعت کا درس دیا جاتا ہے' اسلام میں اخوت و مساوات اور عدل و انصاف کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسلام میں

ادنیٰ اور اعلیٰ کی قطعاً تمیز نہیں ہے۔ امتیاز فقط تقویٰ کی بنا ہے' یہی سبب تھا کہ مسلمان اور ہندو دریا کے دو مختلف کنارے تھے جو باہم نہ مل سکتے تھے۔ ہندو کی مسلمان دشمنی ہر دور میں اپنے جلوے دکھاتی رہی اور تاحال یہی حال ہے۔ یہی حال اور یہی کیفیت ان کے اپنے طبقوں میں بھی موجود ہے۔

"ہمارے اس دور علمی میں یعنی اس زمانہ روشنی میں ایک مسلم قبیلہ جو ملکانہ راجپوت کہلاتے تھے مسلمان سے ہندو بنائے گئے۔ یہ سوامی شردھانند اور مدن سوہن مالوی جیسے آریہ سماجیوں کی بہت بڑی فتح تھی لیکن ان کے ضمن میں بھی مشکل یہ آن پڑی کہ ہندو سوسائٹی میں وہ کس طبقے میں سموئے جائیں وہ اپنے اسلام کی وجہ سے پلید قوم بن چکے ہیں اگرچہ وہ راجپوت کہلاتے تھے چنانچہ ہندوؤں کے اپنے یہی کھاتہ کے مطابق ان کو اچھوتوں میں شامل ہونا چاہیے تھا اور شودر سے بھی کمتر ہونا چاہیے۔ یعنی چنڈال راکھشس وغیرہ کہلانا چاہیے تھا۔" ۲

"رہا خود شودر تو وہ ہندو سوسائٹی کا پست تری' ذلیل ترین اور کسمپرسی کا کمتر طبقہ ہے' کوئی شودر فرد وید پڑھ نہیں سکتا 'بلکہ سن بھی نہیں سکتا۔ اگر وہ ایسی گستاخی کرتا ہوا پایا جائے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ امر گویا دھرما کا حصہ بلکہ ہندو دھرم کا حصہ بن گیا ہے۔ کوئی شودر بھی ایسا کام نہیں کر سکتا جو اونچی جات والے کو کرنا چاہیے ورنہ برہمن پر وبال آتا ہے اور سوسائٹی کو کوئی آفت آن لیتی ہے۔" ۳

(ہندو جاتی کا اچھوتوں کے ساتھ سلوک "تحریر پروفیسر محمد منور مرزا' نوائے وقت ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء")

اس مضمون میں مزید آگے چل کر پروفیسر محمد منور مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

(What Congoess and Ghandhi did to untouchables) By : Ambedkar

ایک عبرت ناک مطالعہ ہے۔ اچھوتوں نے جب اپنے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا تو گاندھی جی نے جات پات توڑ کر منڈل قائم کرانا شروع کر دیئے حالانکہ اچھوتوں کو محض دھوکہ دینا مقصود تھا' بہر حال دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر امبیدیکر نے اچھوتوں کو "ہندو جاتی" سے الگ قوم تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ قائداعظمؒ علامہ اقبال اور دوسرے مسلمان مند وبین نے بھرپور تعاون کیا۔ ان مظلوموں کے ساتھ ہر انصاف پسند شخص کو ہمدردی تھی' مسلمان امداد کرنا اپنا دینی فریضہ جانتے تھے' گاندھی نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا کہ اچھوتوں کو ان کا حق نہ ملے' لیکن برطانوی حکومت نے گاندھی جی کے سارے دلائل رد کر کے اچھوتوں کو جداگانہ حق رائے دہی دے دیا تھا' بس پھر کیا تھا سرے بھارت میں طوفان آ گیا۔ ہرلالہ کائیں کائیں کرنے لگا۔ گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا۔ کیا وہ مرن برت اچھوتوں کے مفاد میں تھا؟ ڈاکٹر امبیدیکر کے بقول یہ مرن برت ہندو جاتی کی بہتری کی خاطر تھا۔" ۴

(ہندو جاتی کا اچھوتوں کے ساتھ سلوک۔ تحریر پروفیسر محمد منور۔ نوائے وقت' ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء)

مسلمان حکومت کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہندوؤں نے جو جو چالیں اور سازشیں کیں۔ ذیل میں درج ایڈیٹر "ملاپ" کے مضمون سے واضح ہو جائے گا۔

"لارڈ برکن ہیڈ اپنی تلوار کے نشے میں کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے لوگ آپس میں لڑ رہے تھے تو انگریزوں نے آکر حالت سدھاری' لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان کے لوگ ہمیشہ کے لیے پرامن زندگی بسر کرنے کے لیے آخری جدوجہد کر رہے تھے۔ ہندو ہر جگہ فتحیاب ہو رہے تھے' اور ہندستان میں ہندو راج کی ستھاپنا ہو رہی تھی' اگر اس وقت انگریز درمیان

میں نہ کودتے تو یقیناً آج ہندوستان دنیا بھر کے لیے بے نظیر سلطنت ہوتا' لیکن کچھ ہندوؤں اور کچھ مسلمانوں کی غلطیوں یا یوں کہنا چاہیے کہ سیاسی گناہوں کی بدولت غلامی ہماری قسمت میں لکھی تھی اور گناہوں کا پھل ہم بھگت رہے ہیں۔"

(اخبار۔ "ملاپ" مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء)

مسلمان فاتحین ہندوستان پر یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتے رہے۔ ان میں محمد بن قاسم پہلے مسلمان فاتح ہیں' جنہوں نے ۷۱۲ء میں سندھ پر حملہ کیا اور شمال مغربی علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت کا آغاز ہو گیا' ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے سلطنت غلاماں کی بنیاد ڈالی اور دھلی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ مسلمان فاتحین کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا آخر مغلیہ خاندان نے بڑے طویل عرصے تک ہندوستان پر حکمرانی کی۔ ان کی سلطنت وسیع و عریض ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ تمام برصغیر پر مغل شہنشاہوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ہندو کے لیے مسلمانوں کی سلطنت ' جاہ و جلال' رعب و دبدبہ اور عظمت و وقار نہایت ناگوار صورت حال تھی وہ سخت مرعوب اور متنفر تھے مگر اس کا ایک نتیجہ بہرحال یہ برآمد ہوا کہ ہزاروں لاکھوں ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنی اسلامی روایات اور اسلامی اقدار کو اپناتے ہوئے ہندوستان کے باشندوں کو شدت کے ساتھ متاثر مسحور کیا ہے۔ چنانچہ بھارت جمہوریہ کے پہلے صدر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب 'INDIA DIVIDED' میں لکھا ہے۔ "مسلم فاتحین کا طرز عمل مجموعی طور پر بڑی ہی روا داری کا آئینہ دار ہے۔" "اسلام کی اشاعت' سربلندی اور تعمیر و ترقی کے سلسلے میں صوفیاء اور علمائے کرام نے نمایاں کردار انجام دیا ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور توسیع کے لیے ان حضرات نے جس محنت شاقہ اور گرمی ایمان سے کام کیا ہے' تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے' ہندوؤں اور مسلمانوں میں نظم و نسق اور کاروبار زندگی کے سلسلے میں ظاہری

اتفاق اور اتحاد موجود رہا۔ اس لیے کہ وہ کچھ مشترکہ مفادات و مقاصد رکھتے ہیں۔ احتیاجات کی ہم آہنگی رہی' لیکن اس کے باوصف فی الحقیقت دونوں قوموں میں تضاد' تفرقہ' امتیاز کشمکش اور ایک طرح کا تصادم بھی موجود رہا اور اس کا تسلسل ابھی تک جاری ہے۔ ہندو نے مسلمان کے مقابلے میں ذات پات اور چھوت چھات کے بندھنوں کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا تھا۔ یہی ایک ذریعہ تھا جس کے سہارے ہندو نے مسلمان سے اپنے آپ کو بڑی حد تک محفوظ رکھا اور مسلمانوں کے ساتھ صدیوں باہمی میل جول رکھنے کے باوجود ان کی ذات پات کے قلعے کو زیادہ نقصان نہ پہنچا' اگر کسی مسلمان کا ہاتھ ہندو کی کسی چیز کو لگ جاتا تو وہ بھرشٹ یعنی پلید ہو جاتی' اور اس صورت میں بڑی ذات والے شخص کو اس وقت اشنان (نہانا) پڑتا۔ یہ ہندو کی ذات پات کی شدت کا معمولی سا مظاہرہ ہے۔ آج ہماری موجودہ نسل ہندو کے اس فلسفے کے بنیادی تقاضوں سے آشنا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ انہوں نے ہندو کے باہمی میل جول اور طرز زندگی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

ہندوؤں میں پست ذات کے لوگوں کے لیے مندر بھی الگ ہوتے ہیں' کنوئیں بھی الگ ہوتے ہیں' چنانچہ آئے دن خبریں پہنچتی ہیں کہ کبھی جنوبی بھارت میں کبھی سی پی میں' کبھی راجپوتانہ میں' کبھی کہاں اور کبھی کہاں کہ شودروں کو گاؤں کے کنوئیں سے پانی نکالنے کے وجہ سے اور بعض اوقات اونچی ذات والوں ہندوؤں کے مندر میں داخل ہونے سے قتل کر دیا گیا ہے یا زندہ جلا دیا گیا ہے۔ ان حالات میں مسلمان کے ساتھ ان کا رویہ کیسے خوش آئن ہو سکتا تھا۔ بہرکیف ہندوؤں اور مسلمانوں میں امتیازات کی ایک وسیع خلیج ہمیشہ حائل رہی اور یہ دریا کے دو کنارے آپس میں ہمیشہ کے لیے جدا ہی رہے' اس لیے کہ ہندو ازم اور اسلام دونوں قطعی مختلف مذاہب تھے جن کا باہمی اختلاط نہ صرف ناقابل قبول تھا' بلکہ ناممکن العمل بھی تھا۔ مسلمانوں کو اپنی ایک الگ اور جداگانہ ملت ہونے کا احساس ہمیشہ رہا۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ نے ۱۷ ستمبر ۱۹۴۴ء

کو ایک خط میں اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ "ہم دس کروڑ مسلمان ایک ملت کی حیثیت رکھی ہیں، جن کے فنون، تعمیرات، زبان و ادب، اسماء اور تسمیہ، شعور اقدار اور احساس تناسبات شرعی قوانین اور اخلاقی قوانین، رسوم اور کیلنڈر، تاریخ اور روایات، افتار طبع، تمنائیں اور رغبتیں بالکل الگ الگ ہیں اور جو زندگی اورامور زندگی کے ضمن میں اپنا ایک مخصوص نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔"""

مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ باقاعدہ ۱۸۵۷ء میں ہوا تھا اور اس طرح مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان پر حکمرانی کی۔ لیکن اس باہمی میل جول کے طویل عرصے میں بھی ہندو، ہندو رہا اور مسلمان، مسلمان اور یہ دونوں ایک قوم میں ہم آہنگ نہ ہو سکے۔

مغل شہنشاہ اکبر نے اپنے دور حکومت میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے "دین الٰہی" جیسا خود ساختہ دین قائم کیا، لیکن اکبر اس معاملے میں نہ صرف ناکام رہا، بلکہ دین الٰہی کے خلاف ایک ایسا طوفان برپا ہوا، جس نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔ لیکن یہ بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اکبر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کی جڑیں روز بروز کھوکھلی ہوتی چلی گئیں۔ اورنگ زیب عالمگیر جو سلطنت مغلیہ کے در حقیقت آخر تاجدار تھے، اپنی تمام تر کلوشوں، انتھک تگ و دو اور لامتناہی قوتوں کو استعمال میں لانے کے باوصف مغلیہ سلطنت کو زوال و انحطاط کی زد میں آنے سے نہ بچا سکے، چنانچہ عظمت و سطوت کے قلعوں، محلوں، دفتروں اور پرشکوہ مدرسوں، مسجدوں اور شفا خانوں والی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔

وہ انگریز جو ایک تجارتی کمپنی "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے زیر عنوان ہندوستان میں وارد ہوئے تھے اور جن کا ڈیڑھ صدی تک عالم یہ تھا کہ وہ مغلیہ شہنشاہوں اور ان کے گورنروں کے سامنے بڑی کمتری اور لجاجت سے درخواستیں پیش کرتے تھے۔ ان کے

لیے حکومت پر قبضہ کرنے کے مواقع پیدا ہو گئے' اور انہیں راستے بڑے آسان نظر آئے۔ دراصل اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے فوراً بعد مغلیہ سلطنت کو زوال و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا۔ سکھوں اور مرہٹوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا' چنانچہ مسلمانوں کی حکومت کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہندوستان کے کونے کونے سے مخالف قوتیں سمٹ آئیں ' اور انہوں نے اپنی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے مسلمانوں کو منظم اور ان میں دوبارہ اسلامی اور تعمیری انقلاب پیدا کرنے کے لیے بے اندازہ خدمات اور کاوشیں انجام دیں۔ اسلامی نظریات و عقائد پر عمل کرنا سکھایا گیا' جہاد کے سوئے ہوئے جذبے کو از سرنو اجاگر کیا گیا۔ لیکن شاہ ولی اللہ دھلویؒ کی یہ تحریک صحیح معنوں میں کامیاب نہ ہو سکی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلم ریاست و حکومت کا مرکز ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن یہ جذبہ ایمانی اور قوت اسلامی کی تحریک لوگوں کے دل و نگاہ میں سما گئی۔ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی جذبے کی پیداوار تھی۔

بہرکیف انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کے سیلاب کو روکنا آسان کام نہ تھا' انگریزوں نے جدوجہد' مکاری و فریب کاری' حیلہ سازی' طاقت اور موقع پرستی کے ہر ہتھیار کو استعمال کیا۔ ہندوؤں کے ساتھ ان کا معاملہ ایک طرح سے طے ہو چکا تھا۔ آخر کار جب انگریزوں کو فتح ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں سے چن چن کر بدلے لیے اور ان کو کچلنے کے لیے اپنی وحشیانہ قوت اقتدار کو خوب خوب برتا۔

"آج سے ایک سو ستر سال پہلے ایک عالی نسب مسلمان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ افلاس کا شکار ہو اور آج اس کے لے ناممکن ہے کہ وہ خوش حال رہے۔ حکومت کا کوئی دفتر ایسا نہیں جس میں ایک مسلمان کو قلی' چپڑاسی یا دفتری سے اوپر کسی عہد کی توقع ہو سکے۔"

(اوور انڈین مسلمانز۔ مصنف ولیم ہنٹر' بحوالہ تحریک پاکستان از صاحبزادہ عبدالرسول صفحہ

نمبر۲)

"حقیقت یہ ہے کہ جب ملک ہمارے زیر نگین آیا' تو مسلمان ایک برتر قوم تھی' وہ نہ صرف قلب و جسم کی مضبوطی میں برتر تھی' بلکہ سیاسی تنظیم اور فن حکمرانی میں بھی فوقیت رکھتی تھی' لیکن آج مسلمانوں پر سرکاری ملازمت اور غیر سرکاری پیشوں میں اعلیٰ مقام کے تمام دروازے بند ہیں۔"

(اوور انڈین مسلمانز۔ مصنف ولیم ہنٹر۔ بحوالہ تحریک پاکستان از صاحبزادہ عبدالرسول صفحہ نمبر۲)

ایک موقع پر اڑیسہ کے مسلمانوں نے کمشنر اڑیسہ کے نام ایک عرضداشت میں لکھا۔

"سرکاری ملازمتوں سے خارج ہونے کے بعد ہم مفلسی اور مایوسی کے اس درجے پر پہنچ چکے ہیں' کہ اگر بیس روپے ماہوار کی نوکری بھی مل جائے' تو ہم دنیا کے سب سے دور دراز مقامات تک سفر کرنے ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے اور سائیبریا کے سنسان بیابانوں میں بھٹکنے پھرنے کو خوشی سے تیار ہیں۔" ۸

(اوور انڈین مسلمانز۔ مصنف ولیم ہنٹر' بحوالہ تحریک پاکستان' مصنفہ صاحبزادہ عبدالرسول صفحہ نمبر۴۔۳)

برطانوی سیاسین' قائدین اور مدبرین کو اس بات کا خوب اندازہ تھا کہ مسلمانان ہند کے خلاف ہندو کا کیا رویہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو کمزور اور لاچار کرنے کے لیے ہندو کو اپنے ساتھ منتخی کر لیا۔ لہٰذا ہندوؤں کو عیسائی مذہب کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و تشہیر سے ہمکنار کیا گیا۔ بقول لارڈ میکالے جیسا کہ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا ۔ ہمیں ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان مترجم ہو' جو خون کے اعتبار سے ہندوستانی ہو 'مگر ذوق و شوق' رائے 'الفاظ اور فہم و ادراک کے اعتبار سے انگریز ہو۔

خان بہادر خورشید احمد خان افسر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے"

"ایک طرف تو مسلم استادوں کی تعداد تعلیم عامہ کے صیغہ میں گھٹائی گئی' دوسری طرف جو انگریزی سکول صدر مقامات میں قائم کیے گئے وہ بالکل غیر مسلموں کے ہاتھوں میں دے دیئے گئے چنانچہ ضلع سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۳ ہیڈ ماسٹروں میں سے صرف تین مسلمان تھے۔ گورنمنٹ کی یہ پالیسی اس قدر کامیاب ہوئی کہ پچیس سال کے عرصہ میں حالات بالکل بدل گئے اور ان سے تعلیم کا عنصر بالکل خارج ہو گیا' چنانچہ ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۰ء تک کے نقشوں سے واضح ہے کہ معائنہ کنند گان اور استاد سب کے سب ایک مذہب کے لوگ یعنی ہندو ہو گئے۔ کبھی کبھی کسی مسلمان کو نام جو شاذ و نادر نظر آتا ہے' تو وہ محض اس وجہ سے کہ اس وقت صوبہ سرحد بھی پنجاب کے تحت تھا اور وہاں ہندو استاد جانا پسند نہ کرتے تھے اس لیے مسلمان وہاں بھیجے جاتے تھے۔" ۹

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مصنف عبدالوحید خان' صفحہ نمبر ۴۱)

"برصغیر ہند برطانوی سامراج کے خلاف ۱۸۵۷ء کی پہلی ملک گیر جدوجہد کے شعلئہ جوالہ کو امن و امان' خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ اس تمام عرصے میں حکمران خاندان میں باہمی لڑائیاں بھی ہوتی رہیں اور حکومتیں الٹتی اور بدلتی بھی رہیں۔ ان خانہ جنگیوں میں برصغیر کے ہندو بالخصوص راجپوت راجے اور راجپوتوں کے لشکر مختلف بادشاہوں اور شہزادوں کی حمایت اور مخالفت میں لڑتے لیکن مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان قومی سطح پر کبھی کوئی فساد برپا نہیں ہوا۔ انگریز مصنفین نے برطانوی دور میں مختلف مسلمان بادشاہوں کے مذہبی تعصب کے من گھڑت واقعات لکھ لکھ کر ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے خلاف فساد پیدا کرنے کی بے حد کوششیں کیں' لیکن کوئی ٹھوس ثبوت

مہیا نہ کر سکے، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اور ٹیپو سلطان کے متعلق خصوصی طور پر بہت افسانے گھڑے گئے، ابتدائی دور کے مسلمان بادشاہوں میں سے علاؤ الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے بارے میں بہت زہر اگلا گیا لیکن یہ سب افسانے ویسے ہی بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔ جیسا نواب سراج الدولہ کی طرف منسوب کیا جانے والا بلیک ہول کا واقع جو سراسر فرضی تھا اور محض نواب پر حملہ کرنے کے لیے بہانے کے طور پر تراشا گیا تھا، مگر جب استحکام کے لیے ہندوؤں کو ساتھ ملانے اور مسلمانوں کو دبانے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے۔ جس سے ہندوؤں نے جگہ جگہ مسلمانوں کے خلاف فسادات برپا کرنے شروع کر دیے۔" ۱۰

(ملت کا پاسبان - مصنف پروفیسر کرم حیدری، صفحہ نمبر ۴۰-۳۹)

دراصل مسلمانان ہند کئی صدیاں ہندوستان پر برسر اقتدار رہے تھے، لہٰذا مخالف مذاہب کی نظروں میں کھٹکتے تھے، ابتداء ہی سے ہر طرح کے حربے اور حیلے اختیار کیے جاتے رہے۔ مسلمانوں کے اقتدار کے مضبوط ترین قلعے پر ضربیں لگنے لگیں، بالا آخر محلاتی سازشوں، دشمنانہ حیلوں، متعصبانہ چالبازیوں اور زہریلی حرکتوں کا بالا آخر یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کی حکومت و سلطنت، شان و سطوت اور جاہ و چشم دھڑام سے زمین پر آ رہا، مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کو زمین بوس کرنے میں ایک طویل عرصے کی تگ و دو شامل تھی، مگر جب دوبارہ سنبھلے تو تقریباً ایک صدی اس جدوجہد میں گذر گئی، کہ انہیں آزادی و خود مختاری نصیب ہوئی۔

اس تاریخی موڑ پر حضرت قائداعظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ نے مسلمانان ہند کی سیاسی اور قومی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور اسلامیان ہند کو جو اپنی تاریخ سے بھی محروم کر دیے گئے تھے۔ انہیں ان کی تاریخ پھر سے لوٹا کر دی۔ اور ان میں مسلم ملت کے شعور کو اجاگر کیا اور ان کے لیے منزل مقصود کا تعین بھی کیا اور منزل تک پہنچایا

بھی۔ یہاں پر سر سید احمد خان کی ایک تقریر پیش کی جاتی ہے۔ جو انہوں نے ۱۸۸۴ء میں لدھیانہ کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی' "تمام وہ لوگ جو دائرہ اسلام میں شامل ہوتے ہیں' باہم مل کر مسلمان قوم بنتے ہیں جب تک وہ اپنے دین حق پر قائم ہیں' اس کے صحیح پیروکار ہیں۔ اس کے شعائر پر عمل کرتے ہیں' وہ ایک قوم ہیں۔ عزیز طلباء اگر کوئی شخص آسمان کا ستارا بن جائے۔ لیکن مسلمان نہ ہو تو وہ ہماری قوم کا فرد ہی نہیں رہا۔"

"۱۸۹۳ء میں بمبئی میں برصغیر کی تاریخ میں پہلا بڑا ہندو مسلم فساد ہوا۔ یہ فساد کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندوؤں کے رہنماؤں کے اس مسلسل مخالفانہ پروپیگنڈے کا نتیجہ تھا۔ جو انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے "گئو رکھشا" تحریک کے پردہ میں مسلمانوں کے خلاف کیا جا رہا تھا' گنگا پتی دیوتا رہنماؤں نے جن میں بنگال' گنگا دھر تلک سب سے نمایاں تھے' گنگا پتی دیوتا کا پبلک طور پر جشن منانا شروع کیا' اس جشن میں جلوس نکالے جاتے جن میں آگے آگے گتکا باز نوجوانوں کی ٹولیاں ہوتیں اور پیچھے پیچھے بلند آواز میں باجے اور گیت والے ٹولے ہوتے۔ یہ لوگ قصداً ایسے وقت میں مساجد کے سامنے باجے بجاتے جب مسلمان نماز میں مشغول ہوتے' تلک نے ہندوؤں میں جنگی جذبات ابھارنے کے لیے شیوا جی کو ہندو قوم کا ہیرو بنایا اور باقاعدہ "یوم شیوا جی" منانا شروع کیا اور اس میں وہ سب کچھ کیا جاتا' جو گنگا پتی کے جشن میں ہوتا۔ شیوا جی کے متعلق تقریر کرتے ہوئے تلک یہاں تک کہنے سے نہ چوکتا تھا کہ "شیوا جی نے افضل خان کو دوسروں کی بھلائی کے لیے نہایت اچھے ارادے سے قتل کیا تھا' اگر ہمارے گھروں میں چور گھس آئیں اور ہماری کلائیوں میں ان کو بھگانے کے لیے کافی طاقت نہ ہو تو ہمیں بلا جھجک انہیں بند کر کے زندہ جلا دینا چاہیے۔" ۱۱۔ ہسٹری

ہندوؤں کے مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب' روایات و اقدار اور ان کے مذہبی نظریات و عقائد پر رکیک حملے روز افزوں بڑھ رہے تھے۔ اور وہ کھلم کھلا اپنی ذہنیت کا

مظاہرہ کر رہے تھے' ایسے سنگین حالات و واقعات کی تاریخ بھی حضرت قائداعظمؒ کے سامنے تھی اور انہوں نے ذاتی طور پر بھی یہ تجزیہ اور تجربہ کر رکھا تھا کہ یہ قوم کتنی برخود غلط قوم ہے' جس کے ساتھ نبھاہ کرنا مسلمانان ہند کے لیے کتنا مشکل اور جان لیوا تھا' چنانچہ آپ نے ۱۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا۔

"اس عظیم الشان اجلاس میں مسلمانان ہند کے متعدد نمائندے موجود ہیں۔ اس وقت ان حالات کا ذمہ دارانہ جائزہ لینا غیر مناسب نہ ہو گا جن کے سانچوں میں ہماری تقدیریں ڈھل رہی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے وقت کی نبض کو نہ پہنچانا' زمانے کی پکار پر توجہ نہ دی' عہد نو کے تقاضوں کو پیش نظر نہ رکھا تو وہ اپنی درخشاں روایات سے منہ موڑنے کے مجرم ہوں گے۔"

ہندوستان کی برطانوی حکومت نے مغربی تعلیم رائج کر کے ہمیں افکار مغرب سے روشناس کرایا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ذہنی اور اخلاقی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہندوستان میں ایک ہمہ گیر تحریک اٹھ کھڑی ہوئی ہے' اب ہمیں ہندوستان کی تعمیرنو پر توجہ دینی چاہیے۔ ہندوستان کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف طاقت ور انگریز بیورو کریسی ہے جو بظاہر مشفقانہ انداز رکھتی ہے اور صرف برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے۔ دوسری جانب عوام ہیں جو اپنے نصب العین کو جان چکے ہیں اور سیاسی آزادی کے لیے پر امن جدوجہد کر رہے ہیں۔ برطانوی تدبر اور فراست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلہ کا فوری طور پر ایک پرامن اور مستقل حل تلاش کرے۔ اگر سیاسی اور سماجی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے جذبات سے ہٹ کر صرف عقل سلیم سے کام لینا آسان ہوتا تو ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے لیے واضح اور بے خطر لائحہ عمل دریافت کر لینا کچھ ایسا مشکل نہ تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ انسانی معاملات محض منطق ہی سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اجتماعی زندگی فرشتوں کے بجائے انسانوں کے ساتھ گزرتی

ہے جو طرح طرح کے تعصب و شناخت، عقائد و خیالات اور نفرت و محبت کے جذبات سے معمور ہوتی ہے۔ ہدنوستان میں ہماری زندگی بھی ایسے ہی مسائل سے دو چار ہے۔

انگریزی حکومت کے کارندے قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں وہ انتظامی تبدیلیوں اور سیاسی ہلچل کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں اور ہندوستان کو کاروبار حکومت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں، اپنے اختیارات میں بھی کمی پسند نہیں کرتے، انتظامی میشنری کو بھی آرام کے ساتھ ایک دھڑے پر چلانا چاہتے ہیں اور اپنے روز مرہ فرائض ہی کو کافی سمجھتے ہیں، ملک کے مختلف حصوں میں گونجنے والی پرعزم اور بے چین آوازیں انہیں افسردہ اور بے چین کر دیتی ہیں۔ بلاشبہ یہ باتیں انسانی فطرت کے مطابق ہیں لیکن مسائل کو حل کرنے کی راہ میں ایک رکاوٹ بنی ہوئی ہیں اور فریقین کے مابین تلخیوں کو ہوا دے رہی ہیں۔ انہی باتوں کی وجہ سے بعض قطعی غلط مقولے رواج پا گئے ہیں جو وقتاً" فوقتاً" محب وطن ہندوستانیوں کو سنائے جا رہے ہیں، مثلاً (۱) جمہوری ادارے مشرقی ممالک میں پھل پھول نہیں سکتے (۲) بیورو کریسی ہندوستان کے لیے موزوں طرز حکومت ہے (۳) ہندوستانی تعلیم یافتہ لوگوں کے مفاد ہندوستانی عوام کے مفاد کے برعکس ہیں۔ اگر انگریز افسر رخصت کر دیئے جائیں تو ان کی جگہ لینے والے ہندوستانی تعلیم یافتہ افراد پر ظلم کریں گے۔

حقائق کی روشنی میں ہم یہ بے بنیاد کلمے باطل ٹھہرتے ہیں، اس قسم کے واہیات اور مکروہ خیلات پھیلانے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کی اجارہ داری زیادہ زیادہ عرصے تک قائم رہے۔ تاہم کوئی دلیل اور رنگ و نسل کا کوئی نمائشی نظریہ اس حقیقت کو اہل نظر سے چھپا نہیں سکتا کہ آزاد ہندوستان ہی ہم سب کی پہلی منزل ہے۔ ہندوستان کے لوگ جلد یا بدیر لازمی طور پر حکومت خود اختیاری حاصل کر کے رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس میں حائل نہیں ہو سکتی۔ برطانوی تدبر تاحال اتنا دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ اسے سیاسی بصیرت سے محروم سمجھا جائے

وہ ایک نہ ایک دن اس بات پر مجبور ہو گا کہ ہندوستان کے نظام حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرے۔ یہ ایک یقینی اور اٹل بات ہے پھر حقائق سے آنکھیں کیوں بند کی جائیں اور اس کی مخالفت میں صفیں کیوں اراستہ کی جائیں! دیانت داری سے کام لے کر شبہات و شکوک کا ازالہ کیوں نہ کر لیا جائے۔ وہ شخص جسے سیاست کے فلسفے کا شعور ہے۔ جس کو مشرق کے معاملات میں رائے زنی کی اہلیت ہے' وہ کبھی اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا کہ ہمیشہ کی ذہنی غلامی اہل ہند کا مقدر بن چکی ہے۔ خدا نے جب ہندوستانیوں کو قدرتی طور پر اچھوت پیدا نہیں کیا ہے' جب قوانین فطرت دوسروں کی طرح ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور جب وہ حال کے قومی تقاضوں کا احساس اور مستقبل کے لیے اونچے عزائم رکھتے ہیں تو حکومت خود اختیاری سے کم کوئی چیز انہیں کیسے مطمئن کر سکتی ہے۔ بہرحال عدم صلاحیت کی ہرزہ سرائی اب ختم ہو جانی چاہیے۔ قوانین فطرت اور اصول انسانیت مشرق اور مغرب کے لیے مختلف نہیں ہو سکتے۔

میرے لیے اور سارے قوم پرست مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے کھلے دل سے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے مسلم لیگ اور کانگریس کی مجالس منتظمہ کر اعتراف کرنا پڑا ہے کہ باہمی اختلاف کا مستقل حل تلاش کرنے کے لیے ہمارا مشترکہ اجتماع ہو۔ مجھے مسرت ہے کہ ہم کامیاب رہے اور آخر ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں ایک فیصلہ ہو گیا۔ یہ مسئلہ ہندوستان کی ترقی کی راہ میں ایک روڑا بنا ہوا تھا۔ اس کے حل ہو جانے کے بعد ہم سیاسی اتحاد و اعانت کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح ہم نے آدھی آئینی جنگ جیت لی۔ اب ہندو مسلمان کسی کو وقت کا یہ مطالبہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ نیا ہندوستان قومی کارگزاروں کی ایک ایسی نئی ٹیم چاہتا ہے جو کشادہ دل اور وسیع النظر ہو' جو فرقہ پرستی اور تعصّاب سے بلند ہو' کمزوروں کی دست گیری

کرے' زبردستوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی ہو اور صرف ادائے فرض کے بجائے خدمت کے اعلیٰ نظریات پر کاربند ہو۔"

سرولیم ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں لکھا کہ

"ہندوستان کے مسلمان اب بھی سالہا سال سے برطانوی اقتدار کے لیے ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ کسی نہ کسی وجہ سے وہ ہمارے نظام سے علیحدہ اور دور رہے ہیں' اور جن تبدیلیوں کے سامنے موقع شناس ہندوؤں نے بڑی خوشدلی سے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ مسلمان انہیں شدید ظلم قرار دیتے ہیں۔" ۱۲

اوور انڈین مسلمانز۔ مصنف ولیم ہنٹر' صفحہ نمبر ۳

دراصل مسلمانان ہند کو زندگی کے ہر شعبے میں نقصان پہنچایا گیا ملازمتوں سے خارج کیا گیا۔ تعلیم پر ایسی ضرب کاری لگاری گئی جو تاریخ کا خونی باب تصور کی جاتی ہے۔ جائیدادیں ضبط کر لی گئیں' اسلامی درسگاہوں کو انگریزی سکولوں اور کالجوں میں تبدیل کر دیا گیا' مدراس گورنمنٹ نے ۱۸۷۳ء میں تسلیم کیا۔

"موجودہ طرز تعلیم کا قالب ہندوؤں کی ضروریات کے مطابق بنایا گیا تھا اور مسلمانوں کو اس بارے میں اس قدر زیادہ گھاٹے میں رکھا گیا تھا کہ سکولوں میں مسلمان بچوں کا کم تعداد میں ہونا حیرت انگیز امر نہیں ہے' بلکہ ان حالات میں ان کا وجود ہی حیرت انگیز ہے۔" ۱۳

برطانوی مسلم کش پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ہندو مضمون نگار میجر ڈی باسو نے یوں لکھا ہے کہ

"حقیقت میں لارڈ البرا گورنر جنرل ۱۸۴۲ء ہی میں اس پالیسی کا آغاز کر چکا تھا' اس کا حکم تھا کہ ہلالی مسلمانوں کو ہمیشہ نیچا دکھاتے رہو۔ انہیں ہرگز ابھرنے نہ دو۔ کسی طرح بھی ان کی ہمت افزائی نہ کی جائے۔" ۱۴

(روزنامہ تیج' دہلی' مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۳۵ء)

جب کابل اور غزنی فتح ہوئے تو شملہ سے لارڈ البرا نے انگلستان میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھا تھا جسے میجر باسو نے بیان کیا'

"مجھے اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ وہ خاص لوگ جن کی گزر ہی ہماری روٹیوں کے ٹکڑوں پر ہے۔ وہ دل سے ہمارے بدخواہ تھے۔ بخلاف اس کے ہندو ہماری فتح پر اظہار شادمانی کر رہے ہیں۔ جب ہمیں ان مسلمانوں کی دشمنی کا یقین کامل ہے' جن کی تعداد ۱۰ر ۱ ہے پھر کیوں نہ ہم ہندو کا ساتھ دیں۔ جن کی تعداد ۱۰ر ۹ ہے' اور جو ہمارے وفادار رہے۔"۱۵

حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا۔

اس چمن میں مرغ دل گائے نہ آزادی کے گیت
آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانوں کے لیے

انگریزوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف سیاسی' ثقافتی' معاشی اور مذہبی اعتبار سے بھی محاذ کھولنے کے لیے ہمت بھی بندھائی اور ہر انداز سے تعاون کا ہاتھ بھی بڑھایا۔ جس سے بالکل واضح تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو بلند ترین مقام سے ہمکنار کیا جا رہا ہے' سر ہنری ایلیٹ نے اپنی کتاب "تاریخ ہند" میں تحریر کیا ہے'

"بڑا افسوس ہے ہندو مصنّفین پر جن سے ہمیں توقع ہو سکتی تھی کہ اس قوم کے محسوسات' اور معتقدات ہمیں معلوم ہوتے۔ مگر وہ احکامات اور ہدایات کے مطابق لکھتے ہیں۔ ماہ محرم کو محرم شریف اور قرآن کو کلام پاک لکھتے ہیں۔ اپنی تحریرات بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔" ۱۶ (مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ' مصنفہ: عبدالوحید خان' صفحہ نمبر ۴۳)

انگریزوں نے جنگ آزادی کے ضمن میں مسلمانان ہند کو ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ لہٰذا انہون نے مصمم ارادہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کو مکمل طور پر ملیا میٹ کر دیا جائے۔ تاکہ آئندہ کسی بھی دور میں سر نہ اٹھا سکیں۔ زندگی کا ہر راستہ محدود کر دیا گیا۔ مظالم کے

طوفان کھڑے کر دیئے گئے' مسلمان کا مسلمان ہونا ایک جرم کی صورت اختیار کر گیا' مسلمانان ہند کی مساجد کو اصطبلوں میں بدل دیا گیا یا فوجی کیمپوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

گورنر یو۔ پی سر آکلینڈ کالون نے کہا۔"

"غدر فرو ہو جانے پر ان ہی سے سخت انتقام لیا گیا اور دونوں قوموں یعنی (انگریزوں اور مسلمانوں) میں مصالحت کی امید جاتی رہی۔" ۱۷

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ ۔ مصنف : عبدالوحید خان صفحہ نمبر۴۶)

سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے۔

"بات فقط اتنی نہیں کہ زندگی کی دوڑ مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلے میں برابر کا موقع ملنا چاہیے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کم از کم بنگال میں تو ان کی قسمت میں کوئی حائل ہی نہیں رہا۔ الغرض مسلمانوں پر جو کہ بڑی شاندار روایات کی مالک قوم ہے' معاش کے سارے راستے مسدور ہیں۔" ۱۸

(ظہور پاکستان۔ مصنف : چوہدری محمد علی صفحہ نمبر۴)

اخبار "ملاپ" کے ایڈیٹر نے خود تحریر کیا ہے۔ "پہلے تو حکومت مسلمانوں کے برخلاف تھی اور سمجھتی تھی کہ ان میں سے بہترے امن پسند نہیں ہیں۔ اور آج سے نصف صدی پہلے گورنمنٹ کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف تھا' لیکن اب وہ صورت نہیں' جن لوگوں نے ۱۸۵۷ء کا غدر دیکھا ہے وہ بوڑھے بتلاتے ہیں کہ انگریزی سرکار ہندوؤں کی پوری طرفدار تھی۔" ۱۹

(اخبار۔ "ملاپ" ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ نمبر ۲)

یہ ٹھیک ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا زیادہ حصہ رہا ہے لیکن انہیں ہندوؤں کے مقابلے میں سزائیں بھی زیادہ ملیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود تسلیم کیا' کہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کے ہاتھوں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کو زیادہ مصائب سے دو چار کیا گیا اور بقول سر سید احمد خان ہندو گنگا میں نہا کر پوتر ہو

گئے انہوں نے اپنے آپ کو انگریزی دربار میں بے گناہ ثابت کر لیا ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں کو پامال کرنے میں تل گئے۔

مغربی مصنفین اور مورخین نے اپنی جگہ مسلمانوں کے خلاف صف آرائی اختیار کر لی اور مسلمانوں کے بادشاہوں کو جابر اور ظالم قرار دینا شروع کر دیا۔ تا کہ اس کی عظمت رفتہ' شان و شوکت اور تاریخی روایات کا خاتمہ ہو جائے انہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کو ایک خوش آئیند واقعہ قرار دیا۔ لیکن مسلمانان ہند کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لرزہ نہ پیدا ہوا' وہ ہر صورت حال کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے اور انہوں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ اپنی بد قسمتی یا شکست کے ساتھ ذلیل ہو کر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ مسلمانان ہند کی حالت زار کے بارے میں مسٹر ای۔ سی جیلی سیکرٹری گورنمنٹ ہند نے لکھا ہے۔ "تعلیم یافتہ مسلمان اپنی پرانی قسم کی تربیت پر بھروسہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو حکومت کے عہدوں اور منافع پر جن پر اب تک وہ قابض تھا' مرحوم پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تمام نفع کے کام ہندو کے ہاتھ میں چلے گئے' اچھے تعلیم یافتہ لوگوں کے دل بے چینی سے لبریز ہو گئے ہیں۔ یہ احساس اس خیال پر مبنی نہ بھی ہو کہ ان لوگوں کو ان کے مذہب کی وجہ سے ستایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کے مذہب کو وجہ سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔"

چنانچہ حضرت قائداعظمؒ نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا' "آزادی کے جدوجہد میں سرگرم ہونے سے قبل مسلمانان ہند کی اقلیت نے ہندوؤں سے صرف اپنے کچھ حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ جو سلوک جرمنوں نے معاہدہ ورسیلز کے ساتھ کیا ہے ویسا ہی ہندوستانیوں کو اس آئین (انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء) کے ساتھ کرنا چاہیے۔ تو کیا ہم واقعی بغاوت کر دیں؟ مگر یہ صورت تو کچھ مناسب نہ ہو گی۔ کیونکہ ابھی ترک حوالات کی تحریک میں ہمیں ناکامی ہو چکی ہے۔ اب تو صرف آئینی جنگ باقی رہ جاتی

ہے لیکن اس کے لیے لازمی یہ ہے کہ ہر جماعت متفق ہو جائے اور شانہ بشانہ عمل کرے۔ یاد رکھیے کہ کانگریس مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو منظم کر کے آزادی کے لیے قدم آگے بڑھائیں، جس کے بعد کانگریس کو اپنی ضد چھوڑ کر مجبوراً ہمارے ساتھ سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔"

اسی طرح ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں حضرت قائداعظمؒ نے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا۔

"مسلم لیگ کی پچھلی تیس سالہ زندگی میں یہ اجلاس بہت اہم اور انتہائی توجہ طلب ہے۔ جس لائحہ عمل اور حکمت عملی کو طے کرنے کے لیے آپ سب کو دعوت دی گئی ہے اس پر کل اور ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت کا انحصار ہو گا۔ کانگریس کے موجودہ لیڈروں نے گذشتہ دس سال سے خالص ہندو ورانہ طرز عمل اختیار کر رکھا ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مخاصمت کی فضا پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ جس وقت سے انہوں نے ہندوستان کے چھ صوبوں میں اکثریت کی بنا پر اپنی حکومتیں قائم کی ہیں اس وقت سے اپنے قول و فعل اور طور طریق سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہرگز عدل و انصاف سے پیش نہ آئیں گے۔ میں پورے زور کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی اس پالیسی کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ برآمد ہو گا کہ جماعتی نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کی فضا ہموار ہو اور انجام کار برطانوی ملوکیت کی گرفت ملک پر پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے۔"

یقین کیجئے کہ اس معاملہ میں برطانوی حکومت کانگریس کو کھلی چھوٹ دے دے گی جو اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں بلکہ انتہائی مفید ہے۔ شرط صرف یہ ہو گی کہ اس

کے ملوکانہ اقتدار اور مفاد پر کوئی چوٹ نہ پڑے اور ملک کا حفاظتی نظم و نسق بدستور برقرار رہے۔ لیکن میں پوری شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ اگر کانگریس نے اہل ہندوستان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع کر دی اور ایک مضبوط قومی متحدہ محاذ کا امکان ختم کر دیا تو پھر ملک میں انتہائی ہولناک رد عمل شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اسلامیان ہند ان حالات پر غور کرنے کے بعد ایک ایسی واضح اور ہمہ گیر حکمت علمی سے اپنی تقدیر آپ بنانے کا فیصلہ کریں جس پر تمام ہندوستان میں پورے جوش و خروش کے ساتھ عمل کیا جائے۔" ۲۰

(قائداعظمؒ نے فرمایا۔ مرتبہ: شاہدہ جمیل صفحہ نمبر ۱۲-۱۱)

"ہندوستان کی ماضی اور حال کی سیاست کا جو پہلو ہمارے سامنے ہے۔ کانگریس نے اپنے ڈیڑھ سالہ دور حکومت میں اس عمارت کی ایک جھلک ہمارے سامنے رکھ دی ہے جس کی بنیاد مغربی طرز پر رکھی گئی ہے اور جس کا نقشہ خود برطانوی مدبرین کا بنایا ہوا ہے۔ اس دستور العمل میں مسلمانوں کی جماعتی اور مرکزی حیثیت کا کوئی تحفظ نہیں ہے۔ لہٰذا اس انقلاب کا مقابلہ اس نظام سے وابستہ رہ کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس مقصد کے لیے ایک الگ متوازی جماعت کا قیام ضروری ہے ۱۹۲۱ء تک تمام عالم اسلامی کی بیداری نے مسلمانان ہند کی حیات ثانیہ کا موقع بہم پہنچایا مگر اس سے فائدہ اٹھا کر حاصل کردہ نتائج کو کانگریس کے سپرد کر دیا گیا۔ آج بیس سال بعد ہندوستان کی سیاست پھر اپنی تاریخ کو دہرا رہی ہے اور مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ مواقع میسر آ گئے ہیں۔ جنگ عظیم سے قبل جو حالت عالم اسلام میں رونما تھی آج وہی نقشہ پھر نمودار ہو رہا ہے۔ آج بھی یورپ کا مطلع سیاست آنے والی جنگ کے بادلوں سے گھرا ہوا ہے۔ ہندوستان میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کے اعلان اور خلافت ترکیہ کے معاملات اور مسجد کانپور نے جو اضطراب اس زمانے میں پیدا کر دیا تھا۔ آج کانگریس کے ڈیڑھ سالہ دور حکومت نے مسجد شہید گنج اور فلسطین کے معاملات نے وہی حرکت اور بے چینی پیدا کر دی ہے۔

ایک طرف ہندوستان کے اندر کانگریس اور انگریز کے تعاون نے مسلمانوں کو بیدار کر دیا ہے دوسری طرف برطانیہ کی ملوکیت اور استعمار نے مصر و فلسطین اور حجاز میں کافی بیداری پیدا کر دی ہے' جاپان ایک طرف مسلمانان شرق کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا رہا ہے تو دوسری طرف مسولینی اور ہٹلر اپنی اپنی جگہ اسلامی ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں لگے ہیں۔ مسلمانوں کی حیرت ناک سیاسی بیداری نے یکسر نئی صورت حال پیدا کر دی ہے۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ"

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مصنف : عبدالوحید خان' صفحہ نمبر ۳۵۴۔ ۳۵۴)

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب رقمطراز ہیں۔ "در حقیقت کانگریس نے جو کچھ ۱۹۳۷ء میں کیا وہ کوئی فی البدیہہ عمل نہ تھا' ہندوؤں کا پانچ ہزار سال سے مزاج یہی ہے وہ "آدم بو" کے خونی جذبے سے نجات پا ہی نہیں سکتے۔ لالہ ہردیال مشہور کانگریسی اور پھر آریہ سماجی راہنما نے ۱۹۲۵ء میں ایک کتاب لکھی "میرے وچار" اس میں ہندوؤں کو تلقین کی ہے کہ "سوراج حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مگر مسلمانوں سے مدد نہ لو۔ انہیں نظر انداز کر دو۔ ورنہ ان پر انحصار کرنے لگو گے اور کہیں کے نہ رہو گے۔" اس ضمن میں ذرا آگے چل کے کہا ہے کہ ہندوستان اور پنجاب میں ہندو نسل کی بقا کی خاطر چار چیزیں بہت ضروری ہے' ان کے بغیر ہم محفوظ نہیں ہو سکتے۔ (۱) ہندو سنگھٹن (اتحاد) - (۲) ہندو راج (۳) مسلمانوں کی رحمی (مسلمانوں کو ہندو دھرم قبول کرنے پر مجبور کرنا) (۴) افغانستان اور سرحدی علاقوں کی تسخیر۔ اگر ہم ان چار مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتے تو ہماری نسلیں محفوظ نہ رہیں گے۔" ۲۲

(میرے وچار۔ صفحہ نمبر ۱۲۳)

پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی جدوجہد کا ثمرہ ہے' اس جدوجہد میں غرباء بھی شامل تھے امراء بھی' مزدور بھی اور کسان بھی' افسر بھی اور وکلاء بھی' اساتذہ بھی اور طلباء بھی' جو مسلمان جہاں تھا اس کا کام میں جت گیا۔ تحریک پاکستان امت مسلمہ ہندیہ کے اجتماعی عزم کا دوسرا نام ہے۔ اگر بعض حلقے اس دور میں صحیح فیصلہ نہ کرپائے تو یہ ان کی اپنی محرومی تھی جس کا ازالہ وہ اس طرح کر سکتے ہیں۔ کہ اب پاکستان کی خدمت دوسروں سے بڑھ چڑھ کر کریں۔ تحریک پاکستان ابھی جاری ہے وہ ان معنوں میں کہ یہ مملکت اسلام کے نام پر وجود میں آئی اور اسلام ایک زندہ و پائندہ تحریک کا نام ہے اسلام کے لیے کوئی منزل سکون نہیں اسلام کے بدخواہ بدستور پاکستان کے بدخواہ نہیں وہ ہندو ہوں۔ کیمونسٹ ہوں' یہودی ہوں یا وہ گمراہ گروہ جو ان دشمنوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد سے کد رکھتے ہیں' وہ سب بدستور پاکستان کو نظر قہر و غضب سے دیکھ رہے ہیں' جب تک چراغ مصطفوی کی روشنی ہے اور اسی کے انداز جمال کی شان تقابلی سے بڑھانے کی خاطر شرار بولہبی بھی موجود ہے۔

حضرت علامہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی وہی وہی

(مذکرہ بالا کتاب' دیباچہ از پروفیسر مرزا محمد منور)

حضرت قائداعظمؒ وہ تاریخ ساز ہستی تھے جن کی انگلیاں تاریخ کی صحیح نبضوں پر ہوا کرتی تھی۔ ان کا ہر لحاظ سے تجزیہ اور ہر پہلو سے اندازہ اتنا کمپوٹرائزڈ ہوتا تھا' کہ بعد میں آنے والے حالات و واقعات ان کی تصدیق کر دیا کرتے تھے۔ شخصیت میں خلوص' لگن اور وابستگی کا عنصر شامل ہو' تو ایسے قائدین کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک

لفظ تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں یوں ارشاد فرمایا تھا۔ اب سے تین سال پہلے ہندوستانی مسلمان کی جو حالت تھی وہ آج نہیں ہے۔ پانچ سال پہلے مسلمان تباہ حال تھا اور دس سال قبل تو اس پر موت کا سا عالم طاری تھا' تین سال کے اندر اندر مسلم لیگ نے برصغیر کے اس سرے سے اس سرے تک مسلمانوں میں بیداری کی ایک روح پھونک دی' ان کو ایک سیاسی شعور دیا ایک اسلامی پرچم دیا۔ ایک نصب العین دیا اور ایک ایسا پلیٹ فارم دیا جو اسے ارض موعود تک پہنچانے میں مدد دے گا اور انشاء اللہ ہم "پاکستان" قائم کر کے دم لیں گے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کانگریسی لیڈروں میں اتنی بھی دیانت داری نہیں ہے کہ وہ کھل کر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے اور اس "مقدس راشٹرپتی" (مولانا ابوالکلام آزاد) کے متعلق تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے جو ایک "شو بوائے" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بنگال میں فضل الحق نے جو نئی وزارت بنائی ہے اسے کانگریس کی حمایت حاصل ہے۔ اسی لیے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اب مجھے اس جلیل القدر وزیراعظم کی تائید حاصل ہو گئی ہے مولوی فضل الحق بحیثیت وزیراعظم بنگال ڈیفنس کونسل کے رکن بھی ہوں گے۔ کیونکہ ان کے سرپر کانگریس کا سایہ ہے۔ میں انہیں (فضل الحق کو) کرسمس کے تحفے کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور نواب ڈھاکہ کو گورنر بنگال کی خدمت میں ہدیتہً پیش کرنے میں ایک مسرت محسوس کرتا ہوں' خوش ہوں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان لوگوں سے نجات ملی جو مسلمانوں کے ساتھ مجرمانہ دغا بازی اور غداری کر چکے ہیں۔

اب کسی انجمن میں غداروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی کیوں نہ ہوں۔ ایسے تمام گندے عناصر کو نکال دینا چاہیے۔ ان سے نجات حاصل کر کے ہی ہم زیادہ طاقت ور ہو سکتے ہیں۔ اور پھر دنیا کی کوئی طاقت ہمارے عزم و ارادہ

میں حائل نہیں ہو سکتی۔" آج میں اس بات کا ہمیشہ کے لیے اعلان کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کا وجود وزیروں اور وزارتوں کے ہوس کاروں کے لیے نہیں ہے۔ میں اس حقیقت سے سب کو خبردار کرتا ہوں کہ ہم کسی شخص کو وزیر بننے کے لیے مسلم لیگ کی طاقت یا اثر و رسوخ کے استعمال کی اجازت نہیں دیں گے۔ اور نہ مسلم لیگ کو ذاتی اغراض اور مفاد پرستی کا آلہ کار بننے دیں گے۔ اس قسم کی کوشش میں خوشامد، چاپلوسی اور چمچہ گیری کرنے والے کو پیچھے دھکیل دیں گے۔

(قائداعظمؒ نے فرمایا۔ مرتبہ شاہدہ بیگم صفحہ نمبر ۴۳-۴۱)

اسی طرح ۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو مسلم لیگ بار کونسل سے خطاب کرتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا۔ اکھنڈ بھارت یا متحدہ ہندوستان کا نعرہ ایک سیاسی فریب ہے۔ ہندوستان کبھی ایک نہیں رہا۔ کبھی ایک قوم نہیں رہا، ایک ملک نہیں رہا اور نہ اس پر کوئی طاقت بزور شمشیر کبھی حکومت کر سکی۔ یہ سرزمین مختلف عقائد مختلف نظریات اور مختلف اقوام و ملت کا ایک ذیلی براعظم ہے۔ انتہا یہ ہے کہ برطانوی اقتدار جو اس ملک پر آج حکمرانی کر رہا ہے وہ بھی ایک بٹا چار ہندوستان کا حکمران نہیں ہے، پورا ملک بڑی بڑی ریاستوں میں منقسم ہے۔ نظم و نسق کی یکسانیت برطانوی دور اقتدار کی پیداوار ہے جس کی عمر ایک سو پچاس یا ایک سو ساٹھ سال سے زیادہ نہیں ہے اور حکومت تو بلاشبہ عوام کی نمائندہ حکومت نہیں ہے۔

# حوالہ جات


۱۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنف : عبدالوحید خان، صفحہ نمبر ۲۱

۲۔ کاسٹ اینڈ آؤٹ کاسٹ، مصنفہ جے۔ ای سنجانا، صفحہ نمبر ۱۳۵

۳۔ ہندو جاتی کا اچھوتوں کے ساتھ سلوک، مضمون تحریر پروفیسر محمد منور مرزا، نوائے وقت ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء

۴۔ ہندو جاتی کا اچھوتوں کے ساتھ سلوک، مضمون تحریر پروفیسر محمد منور مرزا "نوائے وقت" ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء

۵۔ اخبار، ملاپ، مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء

۶۔ اوور انڈین مسلمانز، مصنف ولیم ہنٹر بحوالہ تحریک پاکستان مصنف صاحبزادہ عبدالرسول صفحہ نمبر ۲

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً صفحہ نمبر ۴۔۳

۹۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ، مصنف : عبدالوحید خان، صفحہ نمبر ۴۱

۱۰۔ ملت کا پاسبان، مصنف : پروفیسر کرم حیدری صفحہ نمبر ۴۰۔۳۹

۱۱۔ ہسٹری آف انڈیا مصنف : وی۔ ڈی مہاجن بحوالہ ملت کا پاسبان، مصنف : پروفیسر کرم حیدری صفحہ نمبر ۴۰

۱۲۔ اوور انڈین مسلمانز، مصنف ولیم ہنٹر صفحہ نمبر ۳

۱۳۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ نمبر ۱۴۲

۱۴۔ روز نامہ "تیج" دہلی مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۲۵

۱۵۔ ہندو راج کے منصوبے صفحہ نمبر ۱۰۷

۱۶۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنف : عبدالوحید خان صفحہ نمبر ۴۳

۱۷۔ ایضاً صفحہ نمبر ۴۶

۱۸۔ ظہور پاکستان مصنف چوہدری محمد علی صفحہ نمبر ۲

۱۹۔ اخبار "ملاپ" ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ نمبر ۲

۲۰۔ قائداعظمؒ نے فرمایا مرتبہ : شاہدہ جمیل صفحہ نمبر ۱۲-۱۱

۲۱۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنف : عبدالوحید خان، صفحہ نمبر ۳۵۴-۳۵۳

۲۲۔ میرے وچار صفحہ نمبر ۱۲۳

۲۳۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مصنف : عبدالوحید خان دیباچہ پروفیسر محمد منور مرزا، صفحہ نمبر ۴۲۲

۲۴۔ قائداعظمؒ نے فرمایا مرتبہ : شاہدہ جمیل صفحہ نمبر ۴۳-۴۱

# حضرت قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کا احیاء

جب کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں' ان وزارتوں کے دوران میں مسلمانوں کو کچھ ایسے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا' کہ ان کی آنکھیں کھل گئیں' انہیں معلوم ہو گیا کہ ہندو قوم کا اصل مزاج کیا ہے' چنانچہ مسلمان جوق در جوق اور زوق و شوق کے ساتھ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے' یہ ردعمل بڑا گہرا تھا' پنجاب اور بنگال کے مسلمانون کو بھی یہ احساس ہوا کہ ہندوستان کی فضا میں ایک مرکز کے تحت رہنا اسی صورت میں' کہ ہندو کا غلبہ ہو' کتنا عظیم عذاب ہو گا۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا' جو مسلمانوںکے اتحاد کی طرف ایک بڑا اہم قدم تھا۔ اس اجلاس میں سر سکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب' مولوی فضل الحق وزیراعظم بنگال' سر محمد سعد اللہ خان وزیراعظم آسام نے یہ اعلان کیا کہ وہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے ساتھ ہر لحاظ سے تعاون کریں گے' نیز کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ محمد علی جناحؒ کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ دراصل یہی وہ اجلاس تھا جس کی بابرکت اور باوقار کامیابی نے مسلم لیگ کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ مسلم لیگ مسلمانون کی واحد سیاسی جماعت کہلانے لگی' ہر صوبے میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہو گئیں اور ان شاخون کی آگے ضلعی شاخیں بننے لگیں' کانگریس نے مسلم لیگ کے حصے بخرے کرنے اور اسے منتشر کرنے کی بہتیری کوششیں کیں' یہاں تک کہ مسلم عوام

کے رابطے کی ایک ایسی تحریک چلائی کہ مسلمان مسلم لیگ سے کٹ کر کانگریس کی طرف مائل ہو جائیں، مسلمانوں کو بڑے بڑے مادی اور سیاسی لالچ بھی دیئے گئے۔ مگر کانگریس اپنے جملہ حیلوں کے باوجود ناکام رہی۔

مسلم لیگ نے بالاخر ایک کمیٹی قائم کی، جس کی صدارت نواب صاحب پیرپور نے کی، اس کمیٹی کا بڑا کام اور مقصد یہ تھا کہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی کانگریس حکومت کے خلاف شکایات اور تکالیف کا جائزہ لیا جائے۔ پیرپور رپورٹ نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ ہندو کانگریسی حکومت مسلمانوں پر ہندو تہذیب و تمدن اور ہندو دھرم کو مسلط کرنا چاہتی ہے۔

مسلمان درحقیقت اکھنڈ بھارت کے شروع سے ہی قائل نہ تھے، سندھ مسلم لیگ کانفرنس نے جو کراچی میں اکتوبر ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوئی۔ یہ اعلان کیا تھا، کہ "ایک متحدہ ہندوستان اور مشترکہ مقاصد کی بناء پر ایک متحدہ قومیت کا ارتقاء ناممکن العمل ہے قرار داد میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت کل ہند وفاق کے قیام کو پوری شدت سے نامنظور اور مسترد کرنے کا اعلان کیا گیا اور یہ سفارش کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو آئین کی کوئی ایسی صورت وضع کرنی چاہیے، جس کے تحت مسلمان مکمل آزادی حاصل کر سکیں۔"

بہر کیف ایک ایسے نظام سیاست کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ جب بھی کہیں ہندوستان آزاد ہو، مسلمانان ہند کو ایک عزت مندانہ اور صحیح قسم کا مقام حاصل ہونا چاہیے۔ لہٰذا پاکستان کا تصور نہایت تیزی سے اجاگر ہونے لگا۔

ایک برطانوی مدبر جان برائٹ نے ۲۴ جون ۱۹۵۸ء کو انگلستان کے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا، کہ "ہندوستان کو پانچ پریزیڈنسیوں میں تقسیم کیا جائے۔ جن میں سے ہر ایک کا اپنے مالیات، محاصل، نظام عدل، پولیس، تعمیرات اور فوج کے محکموں کا انتظام انہی خطوط پر ہوگا۔ گویا وہ ایک مستقل مملکت ہے۔ جس کا ہند کے دوسرے حصے

سے کوئی تعلق نہیں، ان میں سے ہر ایک کو اس ملک برطانیہ کے زیر تولیت تسلیم کیا جائے اگر مستقبل میں کسی مرحلہ پر برطانیہ اپنی حاکیت اعلیٰ سے دست کش ہو جائے تو ہمیں ایسی پریذیڈنسیوں کو اس قدر مستحکم کر کے واپس آنا چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی آزادی اور اپنی حکومت کو برقرار رکھ سکے۔"

حضرت قائداعظمؒ نے کانگریس کے ہتھکنڈوں کے بارے میں لکھنؤ کے مسلم لیگ کے اجلاس میں فرمایا، کہ کانگریس نے اس بات کا بالوضاحت ثبوت پیش کر دیا ہے۔ کہ کانگریس کے ذریعے صرف ہندو ہی ہندوستان کے واحد مالک ہوں گے، کانگریس کی یہ پالیسی مسلمان اور ہندو میں فسادات کا پیش خیمہ ہوگی۔ اور شہنشاہیت کے ہاتھ زیادہ مضبوط ہوں گے۔ میں خود بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستانیوں میں بہت سے اختلافات رونما ہو چکے ہیں، جنہوں نے اشتراک عمل اور تعاون کے جذبات کو ناممکن بنا کر رکھ دیا ہے۔" حضرت قائداعظمؒ نے ایک موقع پر مسلم لیگ کے مقاصد اور نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ "مسلم لیگ برطانوی حکومت یا کسی سیاسی جماعت یا مجلس قانون ساز کو اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ کوئی بھی گروپ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرے۔ کانگریس اگر یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لیے بہت کچھ کیا ہے تو واقعی یہ بتایئے کہ اس نے اب تک مسلمانون کے لیے کیا کیا ہے؟ بتایئے کہ اس نے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق و مراعات کی نگرانی اور تحفظ کے سلسلے میں کیا تیر مارا ہے؟ کانگریس کے نزدیک مسلمان رابطہ عوامی تحریک کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا یہ تمام مسلمانون کا شیرازہ بکھیرنے اور انہیں کمزور کرنے کے ارادے نہیں ہیں؟ یہ سبھی ہتھکنڈے انہیں اپنے قائدین سے بدظن کرنے کے لئے نہیں؟ بہرحال کانگریس ہر محاذ پر ناکام رہی ہے اور اب بہتر راستہ یہی ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ بہتر اور جائز سلوک کیا جائے۔"

لکھنؤ کے اجلاس میں جو قرار دادیں پاس ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کانگریسی وزارتوں میں صوبائی گورنر اقلیتوں کے بارے میں اپنے اختیارات کو کام میں نہیں لا سکے' اور وہ اقلیتوں کو تحفظ دینے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ کانگریس کے ظلم و ستم کو نہیں روک سکے۔

۲۔ کانگریس کے رویے اور سلوک پر سخت نکتہ چینی کی گئی۔ بندے ماترم وغیرہ ترانے کو گانے پر مسلمان طلباء کو مجبور کرنا ان کی قومی خودی کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ مسلم لیگ کا عظیم مقصد حیات ہندوستان کی آزادی ہے۔ ایسی آزادی جس میں اکثریت والے صوبوں کے اندر مسلمانوں کو آزادی حاصل ہو گی۔

۴۔ حکومت برطانیہ سے اپیل کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی کہ حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۳۵ء کے اصولوں پر "وفاق" کا قیام عمل میں نہ لایا جائے اور نہ ہی کوئی مرکزی حکومت قائم کی جائے' کیونکہ یہ امر ہندوستان کے اقلیتی باشندوں کے مقاصد ' نظریات اور مفادات کے بالکل خلاف ہے۔

۵۔ مسجد شہید گنج لاہور کو مسمار کرنے کا واقعہ مذہب اسلام میں ناقابل برداشت دخل اندازی ہے۔ لہٰذا مسجد کو بحال کیا جائے' تاکہ حالات مزید خراب نہ ہوں۔

۶۔ اردو زبان کی اہمیت کو گھٹایا گیا ہے اور اس کے درجے کو گھٹایا گیا ہے۔ یہ امر قابل صد افسوس ہے۔ اردو کے تحفظ کے لیے کوششیں جاری رکھی جائیں گی۔

ہندوؤں کی مختلف جماعتوں نے جن میں ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے جھوں کے جتھے منظم کر لیے تھے' ان تنظیموں نے مسلمانوں کے خلاف معاندانہ طریقے سے ہنگامے کرائے اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر مسلمانون کا خاصا نقصان ہوا۔ چنانچہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے میرٹھ میں ۲۶ مارچ

۱۹۳۹ء کو مسلم لیگ نیشنل گارڈ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ جناب محمود آباد' ضیاء الدین' یوسف ہارون' اور سید امجد علی یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے کمیٹی کی تشکیل کی اور ہر صوبے میں مسلم لیگ نے نیشنل گارڈ کے قیام کے لیے ۱۵ جون ۱۹۳۹ء تک اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ بہرحال مسلمانوں نے علیحدگی کی مہم تیز تر کر دی۔ حضرت قائداعظمؒ نے فروری ۱۹۳۸ء کو علی گڑھ میں یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا' "ہندوستان کا موجودہ دستور برطانوی اصول جمہوریت کے مطابق مرتب کیا گیا ہے' لیکن برطانیہ اور ہندوستان میں فرق صرف اتنا ہے کہ برطانیہ میں اکثریت کی جماعتیں تبدیل ہوتی رہتیں ہیں اور ان کی قوت میں فرق پڑتا رہتا ہے۔ ہندوستان میں اکثریت نہیں بن سکتے' لہٰذا ہندوستان کے مخصوص حالات کو مدنظر رکھے بغیر مغربی جمہوریت کے نفاذ کا واضح مطلب ہندو راج کو قائم کرنا ہے۔ ۳"

"ہندو کانگریس کے عزائم اور ارادوں کو بے نقاب کرنے اور ہندوؤں کی جنگجویانہ چالوں کا مقابلہ کرنے کے لیے قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا ایک ہنگامی اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا۔ جس میں پنجاب کی طرف سے سر سکندر حیات خان' نواب احمد یار خان دولتانہ' نواب محمد شاہ نواز خان آف ممدوٹ اور پنجاب کونسل کے مسلم اراکین' ملک برکت علی' میاں غلام رسول بار ایٹ لاء' پیر تاج الدین بار ایٹ لاء' سید خلیل الرحمٰن' شیخ محبوب احمد' اور مولانا ظفر علی خان نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ نے تمام صوبوں کے مسلمان مندوبین سے اپیل کی' کہ وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ تا کہ کانگریس کے عزائم بد کا مقابلہ اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ اجلاس لکھنؤ کے بعد مسلم لیگ میں نئی جان آگئی وہ لوگ جو مسلم کانفرنس کا لبادہ اوڑھ کر مسلم لیگ سے الگ ہو گئے تھے' وہ سب کے سب مسلم لیگ میں واپس آگئے اور مسلم لیگ نے ایک فعال سیاسی جماعت کی حیثیت سے ملک میں مسلمانوں کے سیاسی وقار کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ مسلمانوں

نے مسلم لیگ کے سبز ہلالی جھنڈے کے پیچھے جمع ہو کر "تخت یا تختہ" کا اعلان کر دیا' اس اعلان نے ہندو کانگریس اور برطانوی سامراج دونوں کی آنکھیں کھول دیں کہ مقابلہ ایک زندہ اور غیور قوم سے ہے جن کی عنان قیادت خداوند قدوس نے ایک ہوشیار' بالغ نظر اور باعزم سیاست دان کو سونپ رکھی ہے اور یہ وہ سیاست دان ہے کہ جس کے ایمان و ایقان کو نہ نہرو کی دھمکیاں متزلزل کر سکتی ہیں نہ گاندھی کی فریب کارانہ چالیں شکست دے سکتی ہیں' اور نہ سپرو کی قانونی موشگافیاں ڈگمگا سکتی ہیں۔ قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ نے خدا کے بھروسے اور مسلمانوں کی تنظیم کے بل بوتے پر تنہا کانگریس اور برطانوی سامراج کے باہمی گٹھ جوڑ کو شکست دی اور ان کی فریب کارانہ چالون اور سیاسی ریشہ کاریوں کو مسکت اور دندان شکن جواب دیا' اُسے نہ گاندھی کی "اندرونی آواز" نرما سکی اور نہ پٹیل کی خانہ جنگی کی احمقانہ دھمکیاں متزلزل اور ہراساں کر سکیں۔ اس نے قوم کو ایک نیا نظریہ دیا' اور وہ نظریہ تھا خود اعتمادی کا۔

اس نے کہا "دنیا میں کوئی جماعت یا قوم اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اس کی پشت پر طاقت نہ ہو۔ وہ قومیں مٹ جایا کرتی ہیں جو اپنے بازوؤں کے بجائے غیروں کے بھروسہ پر جینے کی کوشش کرتی ہیں۔"

# مسلم لیگ کے حوالے سے قرار داد پاکستان ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو

## حضرت قائداعظمؒ کا صدراتی خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خواتین و حضرات!

ہمارا یہ اجلاس آج پندرہ ماہ بعد منعقد ہو رہا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا گذشتہ اجلاس دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک بہت سے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ پہلے میں آپ کو مختصراً یہ بیان کروں گا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو ۱۹۳۸ء کے پٹنہ اجلاس کے بعد کن حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ہمیں جو کام سونپے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کام مسلم لیگ کو ہندوستان بھر میں منظم کرنا بھی تھا' یہ کام اگرچہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ تاہم پچھلے پندرہ مہینوں کے دوران ہم نے اس سمت میں بڑی پیش رفت کی ہے۔ آپ کو یہ بتاتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہم نے ہنوستان کے ہر صوبے میں صوبائی مسلم لیگ قائم کر دی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قانون ساز اسمبلیوں کے ہر ضمنی انتخاب میں ہمیں طاقت ور مخالفت امیدواروں کا مقابلہ کرنا پڑا' میں مسلمانوں کو مبارکباد پیشکرتا ہوں کہ

انہوں نے آزمائش کے ان ایام کے دوران ہمت و استقلال اور جوش و خروش کا شاندار مظاہرہ کیا' جس کے نتیجے میں کامیابی حاصل کر سکے' یو۔ پی۔ کونسل یعنی صوبائی ایوان بالا کے پچھلے انتخاب میں مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں ہم نے جو پیش رفت کی ہے میں اس کی تفصیل سنا کر آپ کو بے زار کرنا نہیں چاہتا' تاہم میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہمیں اس سلسلے میں دن دونی رات چوگنی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔

پھر آپ کو غالباً" یہ بات یاد ہو گئی کہ پٹنہ کے اجلاس میں ہم نے خواتین کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ ہمارے لیے اس کمیٹی کو بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ ہم اپنی خواتین کو اپنی زندگی اور موت کی جدوجہد میں حصہ لینے کے تمام مواقع فراہم کریں' عورتین اپنے گھروں حتیٰ کہ پردہ میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتی ہین۔ ہم اس خیال سے یہ کمیتی قائم کی تھی کہ خواتین مسلم لیگ کے کاموں میں حصے لینے کے قابل ہو سکیں' خواتین کی اس مرکزی کمیٹی کے اعراض و مقاصد یہ تھے۔

۱۔ صوبائی اور ضلعی مسلم لیگ کے تحت صوبائی اور ضلعی سطح پر خواتین کی سب کیٹیوں کا قیام عمل میں لایا۔
۲۔ خواتین کو بڑی تعداد میں مسلم لیگ کارکن بنایا۔
۳۔ ہندوستان بھر کی مسلمان خواتین میں وسیع تر پروپیگنڈا کے ذریعے زیادہ سے زیادہ سیاسی بیداری پیدا کرنا' کیونکہ اگر ہماری خواتین میں سیاسی شعور بیدار ہو جائے تو پھر یاد رکھیے گا کہ آپ کے بچوں کو زیادہ پریشانی اٹھانا نہیں پڑے گی۔
۴۔ مسلمان معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ان تمام امور میں جن کا تعلق بنیادی طور پر خواتین سے ہو' انہیں مشورہ دینا اور ان کی رہنمائی کرنا۔ مجھے

یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس مرکزی کمیٹی نے نہایت سنجیدگی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا اور اس نے بہت سے مفید کام انجام دیئے ہیں۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب ہم اس کمیٹی کی کارکردگی کی رپورٹ کا جائزہ لیں گے۔ تو اس نے مسلم لیگ کی جو خدمات انجام دی ہیں۔ ان پر خلوص دل سے اس کے ممنون احسان ہوں گے۔

جنوری ۱۹۳۹ء سے جنگ کا اعلان ہونے تک کی مدت کے دوران ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ہمیں ناگپور میں ودیا مندر کے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان بھر میں واردھا سکیم کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ہمیں ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی، مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم کا مقابلہ کرنا پڑا، ہمیں ہندوستان کی بعض ریاستوں مثلاً جے پور اور بھاونگر میں مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیے گئے رویے اور راجکوٹ کی چھوٹی سے ریاست میں ایک انتہائی اہم مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریس نے راج کوٹ کے مسئلے کو ایک ایسی کڑی آزمائش بنا دیا تھا۔ جس سے ایک تہائی ہندوستان متاثر ہو سکتا تھا، اس طرح جنوری ۱۹۳۹ء سے اعلان جنگ ہونے تک کی مدت کے دوران مسلم لیگ کو یکے بعد دیگرے مختلف مسائل کا سامنا رہا۔ اعلان جنگ سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کہیں مرکزی حکومت میں وفاقی سکیم پر عمل درآمد شروع نہ کر دیا جائے۔ ہمیں اس بات کا علم تھا کہ کیا سازشیں ہو رہی ہیں لیکن مسلم لیگ نے ہر محاذ پر نہایت پامردی سے ان سازشوں کا مقابلہ کیا۔ ہمیں احساس تھا کہ ہم مرکزی وفاقی حکومت کی اس خطرناک سکیم کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ جو حکومت ہندوستان کے ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء میں شامل تھی۔ ہم نے برطانوی حکومت کو اس بات پر آمادہ کر کے کہ وہ مرکزی وفاقی حکومت کی سکیم کو ترک کر دے کوئی معمولی خدمت انجام نہیں دی

ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم لیگ نے برطانوی حکومت کے اس انداز فکر کو بدل کر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے' آپ جانتے ہیں کہ انگریز بڑے ضدی ہوتے ہیں اور بہت قدامت پسند بھی۔ اگرچہ وہ بہت ہوشیار ہیں' لیک معاملات کو سمجھنے میں کچھ وقت لگاتے ہیں۔ اعلان جنگ کے بعد قدرتی بات ہے کہ وائسرائے مسلم لیگ سے مدد حاصل کرنا چاہتے تھے' اور یہی وہ موقع تھا جب انہیں یہ احساس ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ بات یاد رکھنا ہو گی کہ اعلان جنگ تک وائسرائے نے کبھی میرے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا' وہ تو گاندھی اور صرف گاندھی کو جانتے تھے' میں مجلس قانون ساز میں ایک زمانے تک ایک اہم جماعت کا قائد رہا' جو مرکزی مجلس قانون ساز میں موجود پارٹی یعنی مسلم لیگ سے جس قیادت کا اعزاز مجھے اب حاصل ہے بڑی تھی' لیکن وائسرائے نے اس سے قبل میرے متعلق کبھی بھی نہ سوچا چنانچہ جب مسٹر گاندھی کے ساتھ مجھے بھی وائسرائے کی طرف سے دعوت نامہ ملا' تو مجھے بڑی حیرت ہوء اور پھر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ سب کچھ آل انڈیا مسلم لیگ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ جس کا میں صدر ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ اس واقعہ سے کانگریس کی ہائی کمان کے طرز عمل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ اس صدمے سے ابھی تک سنبھل نہیں پائے ہیں۔ اس موقع پر ہمیں آپ کو نظم و اتحاد کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس دلانا چاہتا ہوں۔ فی الوقت میں اس موضوع پر اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

بہرکیف ابھی بہت بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ میں جو کچھ سن اور دیکھ سکتا ہوں' اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ مسلم ہندوستان میں شعور و احساس پیدا ہو چکا ہے۔ وہ بیدار ہے اور مسلم لیگ اب ایک ایسی طاقتور تنظیم کی صورت اختیار کر چکی ہے کہ خواہ کوئی بھی ہو' اور کسی بھی حیثیت کا مالک ہو' اسے تباہ نہیں کر سکتا۔ لوگ آتے جاتے رہیں گے لیکن مسلم لیگ ہمیشہ زندہ رہے گی۔

# حوالہ جات

۱۔ ظہور پاکستان مصنف چوہدری محمد علی صفحہ نمبر ۴۷
۲۔ سپیچز بائی دی رائٹ آنریبل جان برائٹ - ایم-پی ایڈیٹ بائی۔ جیمز ای تھرولڈ راجرز' صفحہ نمبر ۲۸-۳۶
۳۔ مولانا ظفر علی خان مصنف محمد اشرف خان عطاء صفحہ نمبر ۲۴۳-۲۴۲
۴۔ خطبہ صدارت' قائداعظم محمد علی جناحؒ سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ لاہور مارچ ۱۹۴۰ء شائع کردہ وزارت اطلاعات و نشریات' اسلام آباد' ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء

# حضرت قائداعظمؒ اور قوم رسولؐ ہاشمی

حضرت قائداعظمؒ نے حضرت علامہ اقبالؒ کے بارے میں فرمایا تھا۔ "علامہ اقبال ایک عظیم شاعر ہی نہ تھے، بلکہ ایک فعال شخصیت و کردار کے مالک انسان تھے۔ جنہوں نے مسلمانانِ ہند میں جذبہ اسلامی و ایمانی اور قومی شعور و ادراک بیدار کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔" "علامہ اقبال ایک عظیم فلسفی، شاعر، بیرسٹر اور سیاستدان بھی تھے۔ انہوں نے برعظیم پاک و ہند میں ایک آزاد و خود مختار اسلامی مملکت کا خواب دیکھا تھا۔ ایک ایسی مملکت جو اس برعظیم کے ان شمال مغربی اور مشرقی خطوط پر مشتمل ہو جو تاریخی لحاظ سے مسلمانوں کا وطن سمجھے جاتے ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد کے صدارتی خطبے میں علامہ اقبال نے فرمایا۔

> مجھے اس جماعت یعنی ملت اسلامیہ سے دلی ہمدردی ہے جس نے اپنے دین، اپنے ادب، اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرہ مند کر کے مجھے وہ کچھ عطا کیا ہے جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی ہے۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے از سر نو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پاکستانید ا کر دیا ہے کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرم عمل ہے۔"

چنانچہ ایک مرتبہ قائداعظمؒ نے "یوم اقبال" ۱۹۴۰ء خطبہ صدارت میں فرمایا کہ "اگر میں مسلمانوں کے نصب العین یعنی اسلامی ریاست کے حصول تک زندہ رہا اور

اس وقت مجھے اقبال کی تخلیقات اور مسلم ریاست کی حکمرانی میں سے کسی ایک کو چننے کے لیے کہا گیا تو میں اول الذکر کو ترجیح دوں گا۔"

علامہ اقبالؒ نے مختلف مسائل و نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے ملت کے تصور پر بھی لامتناہی اور بے شمار نظریات و تصورات پاکستانیش کیے ہیں۔ ملت اور قومیت کے مفاہم و مطالب پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر ملت اور قومیت کو ایک ہی مفہوم میں اور ایک ہی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ ان دونوں میں واضح اختلاف ہے۔ ملت کا مفہوم عقیدے، شریعت اور دین کا اشتراک ہے۔ قومیت جسے انگریزی میں نیشنلزم کہتے ہیں، لاطینی زبان کے لفظ سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے پیدائش یا نسل، چنانچہ قوم سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک ہی نسل سے پیدا ہوئے ہوں۔ اور خونی رشتے نے ان میں اتحاد پیدا کیا ہو، مغربی دانشوروں نے قومیت کی تعریف کرتے وقت کم و بیش اس مفہوم کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔ ان دانشوروں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تصور قومیت اور اسلامی تصور قومیت میں بڑا اختلاف موجود ہے۔ مغربی قومیتوں کی بنیاد نسل و وطن اور زبان و رنگ کے اتحاد پر قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر قوم اس سلسلے میں مجبور و معذور ہے کہ وہ ہر اس شخص سے اجتناب کرے جو اس کا ہم قوم نہ ہو، ہم نسل نہ ہو، ہم زبان نہ ہو، خواہ وہ اس کی سرحد سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر بھی کیوں نہ مقیم ہو۔ مغربی تصور قومیت کے تحت ہر قوم کا فرد کسی دوسری قوم کے فرد کا سچا وفادار اور اس کے لیے قابل اعتبار نہیں۔ مگر اسلام میں قومیت کا مفہوم اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام میں قومیت کی بنیاد مسلم وطن کے بجائے اعتقاد اور نظریے پر رکھی جاتی ہے۔ اسلام میں قومیت کی اساس نسل، وطن، زبان، رنگ، معیشت یا سیاست نہیں، بلکہ دینی رشتے پر ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی قومیت کے بارے میں خوب فرمایا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "لیکن جب ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو وہ از روئے امت و ملت دوسروں سے بالکل جدا ہیں۔ ان کے یہاں بھی شعب و قبائل ہیں۔ ان کے یہاں بھی قومیتیں ہیں۔ قومیں بھی ہیں مگر ان کی بین الاقوامی حیثیت فوق الاقوام ہے اور وہ بحیثیت فوق الاقوام ہونے کے اعتبار سے وطنوں۔ نسلوں۔ رنگوں اور زبانوں سے برتر ہو جاتی ہے۔ پھر علاقائی نسبت سے پنجابی' سندھی' پٹھان' بلوچ قومیتوں کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن سب مل کر پاکستان کی نسبت سے پاکستانی قوم ہیں۔ پاکستانی قوم وطن پاکستان کی نسبت سے وجود میں آئی۔ اس سے آگے کی نسبت ملت ہے۔ اور وہ اسلام ہے جو سب مسلمانوں کا دین ہے۔ وطن کی نسبت سے تشخص قومی قرار پایا۔ اور دین کی نسبت سے ملی' ملت کی اساس اشتراک عقیدہ ہے اور اس میں وطنی' نسلی اور لسانی حدوں کو کوئی دخل حاصل نہیں' جب ہم ملت ہیں' تو علاقائی' نسلی اور لسانی حیثیت دب کر رہ جاتی ہے۔ اس طرح دیکھیں تو مسلمان پوری دنیا میں ایک منفرد برادری ہیں' اور ان کا بین الاقوامی تشخص ان کا دین ہے۔ جزیرہ فاک لینڈ کا مسلمان ہو یا جنوبی افریقہ کا' کوریا کا مسلمان ہو یا سویڈن کا' عرب کا مسلمان ہو یا ترکستان کا' وہ گورا ہو یا کالا قوامی ہو' گندمی ہو یا زرد ہو' حامی ہو یا سامی ہو یا آریائی' شاہ ہو یا گدا۔ مسلمان ہونے کی نسبت سے ہر کہیں کے مسلمان کا بھائی ہے۔" ——[1]

ملت اسلام کے پیروکار اسلام کو دنیا کی ہر چیز پر مقدم اور افضل ترین تصور کرتے ہیں ہر چیز کو اسلام کے بھینٹ چڑھایا جا سکتا ہے۔ لیکن اسلام کو کسی شے پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام محبت و مروت اور اخوت و مساوات کا درس دیتا ہے۔ چنانچہ ملت اسلامیہ

ایک خدا' ایک قرآن اور ایک رسولؐ کے تابع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کے اتحاد و یقین کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

"مسلمان کے ساتھ مسلمان کا تعلق ایسا ہے جیسے ایک دیوار کے اجزاء جن میں سے ہر ایک جز دوسرے سے قوت پاتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور جگہ پر فرمایا گیا کہ

"جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے جو اس سے بچھڑا وہ آگ میں گیا۔"

اسی طرح پھر فرمایا گیا کہ

"جو تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے اسے قتل کر دو۔ اس لیے کہ فتنہ کھڑا کرنا قتل کے ارتکاب سے سنگین تر جرم ہے۔"

علامہ اقبالؒ نے ملت کا تصور' قرآن کی روشنی میں پیش کیا ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احادیث نبوی کی بنیاد پر ملت اسلامیہ کے ڈھانچے کو واضح کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ "قوم اپنے موجودہ افراد کا مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہے' اس کی ماہیت پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ غیر محدود اور لامتناہی ہے۔ اس لیے کہ اس کے اجزائے ترکیبی میں وہ کثیر التعداد آنے والی نسلیں بھی شامل ہیں۔ جو اگرچہ عمرانی مد نظر کے فوری منتہا کے پرلی طرف واقع ہیں لیکن ایک زندہ جماعت کا سب سے اہم جزو متصور ہونے کے قابل ہیں۔" --- ۲

علامہ اقبالؒ کے مطابق دلوں کی ہم آہنگی' یکسانیت' اور یک رنگی کے بغیر ملت کا تصور ممکن نہیں' بغیر کسی نصب العین کے افراد میں اتحاد و اتفاق پیدا ہونا ممکن نہیں' ملت میں نیک و بد' خیر و شر کا معیار بھی جب تک ایک نہ ہو' ملت مضبوط و مستحکم نہیں ہو سکتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غائیت بھی اخوت و مساوات اور محبت و مروت بنی نوع انسان ہے اور انہی مقاصد سے ملت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے قومیت کا جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی تصور ہی کالعدم ہو جاتا

ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال ؒ کا ارشاد ہے۔ جو ملت توحید اور رسالت کی بنیاد پر قائم ہو گی۔ وہ غیر فانی اور دوامی ہو گی۔

گرچہ ملت ہم بمیرد مثل فرد
از اجل فرمان پذیرد مثل فرد

چنانچہ ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے قائداعظم ؒ نے ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "پاکستان مسلم قوم کی وحدت کی مرئی صورت ہے' اور اسے اسی طرح رہنا چاہیے۔ بوطر مسلمان ہمیں اس وحدت کا نہایت رقیبانہ انداز میں تحفظ کرنا چاہیے۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو اولاً بنگالی' پنجابی' سندھی وغیرہ سمجھنا شروع کیا اور محض اتفاقی طور پر مسلمان اور پاکستانی سمجھنے لگے تو پھر پاکستان کا انتشار یقینی ہو گا۔" ۳۔

مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے ملت اسلامیہ کے اس تصور کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا' جو ہمارے قائدین عظام نے ہمارے لیے ضروری گردانا تھا' پاکستان جو کہ عالم اسلام کے لیے ایک قلعے کی صورت میں دنیائے انسانیت کے نقشے پر جلوہ فگن ہوا تھا۔ ہم نے بنگالیت' پنجابیت' سندھیت' اور مہاجریت کے زہر آلود نعروں سے نوازا' صوبائیت' لسانیت' قومیت اور علاقائین کے جال بننے میں مصروف ہو گئے۔ ہم سب کچھ کہلانے پر شاید فخر کرین' لیکن پاکستان کہلانے کے لیے ذہنی طور پر ابھی تک تیار نہیں ہو پائے۔ بنیادی قومی اور ملی تقاضوں سے روگردانی کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے سانحے سے ہم نے کوی سبق نہیں سیکھا۔ ہندوستان کی طرف سے کئی بار جنگوں کے خوفناک وار ہماری عقل ابھی تک ٹھکانے نہیں آئے۔ خدانخواستہ اگر ہم غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔ تو پھر شاید صدیوں آزادی و خود مکتاری کے لیے ترسیں۔ یہ یاد رہنا چاہیے 'کہ دنیا میں جتنی بھی اقوام معارج کمال تک پہنچیں' مثلاً ایرانی' یونانی' رومی اور مصری اقوام یہ سبھی اقوام آخر کار فنا ہو گیئں۔ لیکن ملت اسلامیہ غیر فانی

ہے۔ اس لیے کہ حکم خداوندی یہ ہے کہ "تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

پاکستان کی بقا' آزادی و خود مختاری اور سالمیت و استحکام کا ضامن صرف ملی نظریہ ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ پاکستان کے مسلمان اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ اپنی صفوں میں اتحاد اور یگانگت پیدا کریں' قومی مقاصد اور مفادات کو ذاتی مقاصد و مفادات پر ترجیح دیں' اور اسی جذبے' لگن' عقیدے اور ایمان و ایقان' کے ساتھ پاکستان کی تعمیر و تشکیل کریں' جس جذبے' عقیدے اور ایمان کے ساتھ پاکستان کو تخلیق کیا تھا' پاکستان کو خدا تعالیٰ کلمہ طیبہ کی طرح زندہ و سلامت رکھے۔ (آمین)

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن
پرکارو سخن ساز ہے' نم ناک نہیں ہے
(بال جبریل)

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب لکھتے ہیں' "کسی لالہ جی' مہاشتہ جی' مہلویہ جی' گنیش دت جی' بینر جی' مکرجی' چیٹر جی' اچاریہ جی' گسائین جی اور بھوپال جی کو ذار خیال نہیں آتا کہ برلن کی دیوار جرمن قوم کو جبراً جدا کر رہی تھی۔ جسے جرمن قوم توڑنے کے لیے اس طرح بے تاب تھی جس طرح مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے مسلمان ہر دم دست بدعائیں کہ مولا ہم بچھڑ گئے ہیں۔ ہمیں پھر ملا دے —— اور انشاء اللہ ایک دن یہ ہو کر رہے گا۔

آملیں گے سینہ چاکان جمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی!!

دو پاکستانیوں کے درمیان یہ وہ دیوار ہے جو برہمنوں نے کھڑی کی اس دیوار کا نام برہم تعصب کا وطن ہے جسے بھارت کہتے ہیں۔ یہی نہیں خود بھارت مغربی پاکستان کے مابین کانٹوں کے تاروں کی دیواریں کس نے کھڑی کیں؟ مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال

کے مابین خار دار تاروں کی دیواریں کھڑی کرنے کے کون درپے ہے؟ اگر ذہنی دیواریں لالہ جی کو ازروئے کج نظری دکھائی نہیں دیتیں تو کیا یہ خار دار تاروں کی دیواریں بھی نظر نہیں آتی؟ لالہ جی ایک طرف کہتے ہیں۔ ہم ایک ہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ وہ پتھر کی دیواریں کھڑی کر دو۔ خار دار تاروں کی باڑ بنا دو' ہم بہرحال پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ لالہ جی یہ مادی اور ذہنی دیواریں کس نے کھڑی کیں' پاک دھرتی اور ناپاک دھرتی کے الفاظ کس نے گھڑے' ملیچھ کون کہتا ہے اور کس کو؟ بھرشٹ کون ہوتا ہے؟ اور کس کے چھونے سے؟ یہ برلن کی دیواروں سے زیادہ مستحکم اور رسوا کن دیواریں ہیں۔ یہ برہمنی دیواریں ہیں' یہ تہذیبی اور نسلی دیواریں۔ حتیٰ کہ یہود پر کسی غیر یہود کا سایہ پڑ جائے تو وہ بھرشٹ نہیں ہو جاتے وہ غیر یہود کے ہاتھ کے چھو جانے سے پلید نہیں ہو جاتے' یہ حال تو افریقہ میں کالوں کی ذلت کا گوروں کے یہاں بھی نہیں کہ وہ کالوں کے چھو اجانے سے پلید ہو جائیں۔۔۔ حق یہ ہے کہ برہمن کی آدم بیزاری اور انسانی آزادی کا پوری کائنات آدم میں جواب نہیں' ہندوستان کا برہمنی معاشرہ جو طبقہ بندی پر استوار ہے تذلیل آدم کے باب میں بے نظیر ہے۔ چوہدری افضل حق مرحوم جو احرار اسلام کے بہت بڑے قائد تھے بلکہ "احرار اسلام" کے دماغ گنے جاتے تھے۔ جن کو کانگریس قائدین بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہندو جاتی کے غیر ہندو افراد سے شدت نفرت کے باب میں لکھتے ہیں۔

> "ہندو اور سکھ حلوائی اس خیال سے کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگانے سے وہ پلید نہ ہو جائیں' مسلمان خریداروں سے اپنے ہاتھ سے پیسے سے نہ لیتے تھے۔ اس غرض کے لیے وہ ایک لکڑی کی ڈوئی کا استعمال کرتے تھے' اس کا دستہ خود حلوائی تھام لیتا اور مسلمان سے کہتا کہ وہ اس کے پیالے میں پیسے ڈال دے۔ یہ لکڑی کی ڈوئی اور واسطے استعمال کرتا تھا کہ ہندو کا خیال تھا کہ مسلمان کی چھوٹی موٹی لکڑی کو ہاتھ لگانے سے وہ بھرشٹ نہیں ہوتا اور اس

طرح ہندو دکاندار پلید ہونے سے بچ جاتا تھا۔ جب میں اس ڈوئی کے پالیے میں پیسے ڈال رہا تھا تو بدقسمتی سے دکاندار کو میرا ہاتھ لگ گیا اس سے دکاندار لال بھبھوکا ہو گیا اور اس نے مجھے ایک ہی سانس میں ہزاروں گالیاں سنا ڈالیں۔ ایک ساعت کے لیے میں بالکل بھوز چکا ہو کر رہ گیا اور بے حس و حرکت کھڑا رہا ـــ ازاں بعد وہاں سے چلا آیا اور زندگی کے کئی سالوں تک بعد میں کسی ہندو یا سکھ کی دکان پر نہ گیا' میری زندگی کا یہ واقعہ جس نے میری زندگی کے معاشری پہلو کو بالکل بدل کر رکھ دیا' اس وقت رونما ہوا جب ملک میں کوئی بھی سیاسی یا سماجی تحریک نہیں تھی اور مسلمان روز مرہ ایسی ذلتیں برداشت کرتے رہتے تھے۔"[۴]

اسلام کی روح مساوات و اخوت ہے۔ عدل اجتماعی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ اس روح کو عملی شکل دینے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں ملت کا بنادی فلسفہ اشتراک عقیدہ ہے۔ مسلمان پوری کائنات میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا بین الا تشخص' ان کا دین اسلام ہے۔ مسلمان خواہ کشمیر کا ہو آیا انڈونیشیا کا' عرب کا ہو' افریقہ کا' گورا ہو کلاقوامی' غریب ہو یا امیر' اسلام کی نسبت سے ایک مسلمان کا بھائی ہے۔

"آج بھی عالم اسلام کی باہمی محبت کی استواری اور پائیداری میں حرم اسی طرح مہابرن ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بقول پورا عالم اسلام ایک دائرہ ہے اور کعبہ اس دائرے کا مرکز ہے۔ یہ وہ روحانی مرکز ہے کہ ملت اسلامیہ کو ربط و نظام کی دولت سے بھی مالا مال کرتا ہے اور اس کے ایمان و ایقان کو بھی استحاک بخشتا ہے۔ اشتیاق بھی عطا کرتا ہے اور تسکین بھی دیتا ہے۔ بے تابی سے بھی نوازتا ہے اور تاب سے بھی نوازتا ہے۔ عالم اسلام جسد و پیکر ہے اور کعبہ جان و دل ہے۔ پھر ملت ہمدل کیوں نہ ہو' یہ نعمت کسی دوسری

ملت کو میسر ہے؟" ۵-

یہی وہ جذبہ اسلام تھا کہ جس نے حضرت قائداعظمؒ کی مشکل اور کٹھن راہوں کو استوار بنا دیا تھا' مسلمانانِ ہند لا الٰہ الا اللہ کے جھنڈے تلے یکجا ہو گئے اور حضرت قائداعظمؒ کی آواز پر لبیک کہا' یہاں تک کہ قیام پاکستان کے لیے سب کچھ نچھاور کر دینے کے لیے تیار ہو گئے ---- غازی علم الدین شہید سے جب حضرت قائداعظمؒ نے یہ فرمایا کہ آپ عدالت میں صرف اس موقف سے ہٹ جائیں اور صرف یہ کہیں کہ آپ نے راجپال کو قتل نہیں کیا' تو میں سب کچھ سنبھال لوں گا' آپ کو بری کرا لوں گا' لیکن غازی علم الدین شہید نے یہ کہا کہ میں تو عدالت میں یہ کہوں گا کہ اگر دوبارہ جنم لوں تو پھر بھی راجپال کو قتل کروں گا "-----یہ تھا وہ جذبہ ایمانی و اسلمی' جو اسلامیان ہند کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی' اس بات سے حہ نے یہ بھاپ لیا کہ اس قوم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی کی قیادت کرنا بہت بڑی نعمت اور سعادت ہے' ---- چنانچہ قیام پاکستان کے بعد ایک قبائلی جرگے سے پشاور میں خطاب کرتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا-"

جو کچھ میں نے کیا ہے اسلام کے خادم کی حیثیت سے کیا ہے اور جتنا کچھ میری بساط میں تھا اس کے مطابق اپنی ملت کی مدد کرتا رہا ہوں' میری مسلسل کوشش رہی ہے مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کر دوں اور مجھے توقع ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا محسوس کریں گے کہ حصول سے جو ہم خدا کے فضل و کرم سے حاصل کر چکے ہیں- کہیں زیادہ ہمیں اب اتحاد اور استقامت کی ضرورت ہے' مجھے یقین ہے کہ آپ اس عشق میں میری پوری پوری مدد کریں گے- میں ہر مسلمان سے خواستگار ہوں کہ وہ اپنی سی کوشش کرے اور مسلمانوں میں مکمل اتحاد پیدا کرنے کے لیے میری امداد اور کسی دوسرے فرد یا علاقے سے علیحدہ نہیں رہیں گے ہم مس ایک کدا' ایک کتاب یعنی قرآن حکیم اور ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں- اس لیے ہمیں ایک ملت کی صورت میں

متحد ہونا چاہیے' آپ اس پرانی ضرب المثل سے واقف ہیں کہ اتحاد میں قوت ہے اور نفاق سے ہم گر جاتے ہیں۔"

دین اسلام کے ساتھ بے پناہ شم اور گہری وابستگی کا ہی ثمرہ تھا کہ قائداعظمؒ کو ایک نہایت مخلص مسلمان کی زندگی نصیب تھی' انہوں نے تمام زندگی میں قلم کے سوا کوئی ہتھیار نہ اٹھایا لیکن انہوں نے مسلمانوں کی قومی آزادی کے لیے اتنی زبردست جدوجہد کی کہ تاریخ انہیں ملت اسلامیہ کے عظیم ترین مجاہدین کی صف میں جگہ دے رہی ہے۔

وہ تمام عمر برطانوی انداز کی قائم کی جانے والی عدالتوں میں قانونی جنگیں لڑتے رہے لیکن جھوٹ اور فریب کی اس دنیا میں رہ کر کام کرنے کے باوجود انہوں نے جھوٹ اور فریب دونوں سے اپنا دامن پاک رکھا اور اس طرح اپنے پیارے نبیؐ کے نقش قدم پر چل کر اپنے لیے "صادق" کا اعزاز حاصل کیا۔ قوم نے انہیں مسلم لیگ کے تقویت کے لیے لاکھوں روپے کے چندے دیئے۔ لیکن انہوں نے کہیں سے ایک پیسہ ناجائز نہ خرچ کیا نہ ہونے دیا اور اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں امین بھی ہوئے۔ اس مجاہدانہ امانت اور دیانت میں بے مثل زندگی بسر کرنے کے بعد لحد میں آسودہ خواب ہوئے تو بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی اور روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا مزار دنیا بھر کے چند ایسے مزارات میں سے ہے' جس پر رات دن قرآن خوانی اور دعائے مغفرت ہوتی رہی ہے' جو بجائے خود اللہ تعالٰی کے ہاں ان کے علو مرتبت کی ایک نہایت روشن دلیل ہے۔ "۶۔

# حوالہ جات


۱۔ ایقان اقبالؒ۔ مصنف: پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ نمبر ۱۲۵-۱۲۴

۲۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار مصنف: پروفیسر رشید احمد صفحہ نمبر ۳۲۸

۳۔ سپیچز اینڈ رائیٹنگز آف مسٹر جناح' از جمیل الدین احمد صفحہ نمبر ۱۰۴

۴۔ مسلمان اور اچھوت مصنف: چوہدری افضل حق صفحہ نمبر ۳۴

ماخوذ از: مضمون: دیوار برلن اور دیوار برہمن تحریر پروفیسر محمد منور مرزا روز نامہ "نوائے وقت" ۱۸ جنوری ۱۹۹۰ء

۵۔ ایقان اقبالؒ مصنف: پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ نمبر ۱۴۶-۱۴۵

۶۔ ملت کا پاسبان مصنف: پروفیسر کرم حیدری صفحہ نمبر ۳۳۵-۳۳۳

# حضرت قائداعظمؒ اور نظریہ پاکستان

اس کرہ ارض کے نقشے پر جتنے بھی آزاد و خود مختار مسلمان ممالک موجود ہیں، اپنے اپنے دساتیر اور ضابطہ ہائے زندگی پر استوار کر دیئے گئے ہیں جن میں مملکت خدا داد پاکستان بھی شامل ہے۔ کسی ملک کا باشندہ اگر اپنے ملک کے بنیادی قوانین و ضوابط سے انحراف کرتا ہے یا غداری کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے فوراً سبق سکھا دیا جاتا ہے کہ ملک کی آزادی و سالمیت کسی شخص یا گروہ یا سیاسی جماعت کا عوامی مفلوات و مقاصد سے بالا تر نہیں، لیکن شومئے قسمت کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک تقریباً ۴۳ برسوں میں یہ اہتمام ہی نہیں کیا گیا کہ جو شخص یا جماعت ملکی سالمیت اور آزادی و خود مختاری پر حملہ آور ہو گی تو اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ غداران مملکت اس خطے میں دندناتے پھرتے ہیں، من مانی کاروائیوں میں بلا روک ٹوک معروف ہیں جس طرح چاہیں مسلمان مملکت خدا داد پاکستان میں گل کھلائیں کوئی پوچھنے والا نہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان حضرات کے بزرگان دین و سیاست نے انہیں یہ خطہ ذاتی جاگیر میں دیا تھا کہ جو جی میں آئے کر سکیں۔ تاریخ تحریک پاکستان کے مطالبے کے بعد ایک شدید احساس یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ملک کے قیام کی تاریخ میں بے شمار مصائب و آلام، لاکھوں جانوں کی قربانیاں، کروڑوں افراد کی بربادیاں، ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کی چیرا دستیاں اپنوں اور بیگانوں کی زیادتیاں، برطانوی حکومت کی ناانصافیاں،

ہندو مہاشوں کی ستم رانیاں کیا کیا رنگ آسمان نے نہیں دیکھے کیا کیا زخم پاکستان کے سینہ نازک پر ابھی تک ہرے نہیں، کیا کیا جگر پاش نشانات ظلم و ستم موجود نہیں، کیا کیا بے درد خزاؤں نے بہاروں کو اداس نہیں کیا، کیا کیا ہولناک نامرادیوں اور خطرناک ناکامیوں نے ڈیرے نہیں ڈالے۔

میاں امیر الدین تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت قائداعظمؒ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ برعظیم میں پاکستان کی بنیاد تو اسی روز پڑ گئی تھی جس روز یہاں پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا۔ یہ فقرہ بڑا اہم ہے ایک فرد کے اسلام قبول کر لینے سے اتنے بڑے مستقبل کی بنیاد کیسے پڑ گئی؟ قائداعظمؒ کے اس فقرے میں یہ معنی مضمر ہیں کہ ایک مسلمان فرد کی وجہ سے ایک نیا سیاسی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور تمدنی شعور آغاز پذیر ہو گیا اور پھر اس کے بعد اس برعظیم میں ایک کے بجائے دو مختلف دھارے بہنے لگے۔

ایک بات بہرحال ذہن میں رہنی چاہیے کہ متحدہ ہندوستان جس کا رقبہ تقریباً یورپ کے برابر ہے ایک ملک نہ تھا مزید برآں یہ کہ ہندوؤں کے ہاں ذات پات کا لحاظ بلکہ ذات پات کی پابندی نہایت شدید تھی اگر نچلی ذات کا کوئی شخص جسے عرف عام میں شودر کہا جاتا ہے کسی بڑی ذات کے آدمی سے چھو جاتا ہے تو وہ بھرشٹ ہو جاتا ہے بھرشٹ ہونے کا مطلب ہے پلید ہو جانا چنانچہ بڑی ذات کے آدمی کو اسی وقت نہانا پڑتا تھا جسے وہ لوگ اشنان کہتے ہیں۔ آج پاکستانی عزیز بھرشٹ کا یہ مفہوم مشکل سے سمجھیں گے۔

ہندوؤں کے یہاں پست ذاتوں کے لیے عبادت خانے یعنی مندر بھی جدا تھے۔ پست ذاتوں کے لوگ گاؤں کے کنوئیں سے پانی نہ لے سکتے تھے آپ مسلمان ہیں کسی بھی مسلمان سے مل کر خواہ وہ کسی بھی ذات یا طبقے سے تعلق ہو نلپاک ہو جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کے قصبوں اور گاؤں میں پست ذاتوں کے لیے کوئی الگ مسجد نہیں ہوتی کوئی الگ کنواں نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی سے ہاتھ ملا کر آپ نلپاک ہو

جاتے ہیں اس لیے بھرشٹ ہونے کا بھرپور مفہوم آپ نہیں سمجھ سکتے۔ حد یہ ہے کہ آج تک یہ خبریں آ رہی ہیں کہ کبھی راجپوتانے میں، کبھی جنوبی بھارت میں، کبھی سی پی میں شودروں کو گاؤں کے کنوئیں سے پانی نکالنے کے باعث یا بڑی ذاتوں والے مندر میں داخل ہو جانے کے باعث قتل کر دیا گیا یا زندہ جلا دیا گیا۔[۱]"

حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ جس پاکستان کی تخلیق ایک معجزہ خداوندی تصور کیا جاتا ہے جسے خدائے لم یزل کی نعمت غیر مترقبہ تصور کیا جاتا ہے جس ملک کی تخلیق کو مشیت ایزدی گردانا جاتا ہے جسے کرم مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس ملک میں آباد ایسے شقی القلب انسان بھی آزادی و خود مختاری کی سانس سے ہمکنار ہیں جن کا یہ فرمان کہ وہ سندھ کو اقوام متحدہ کا ایک مسلمان ممالک دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی طرح ان کے قوم پرستی پر مبنی اور صوبائیت کے نظریے سے زہر آلود دیگر بیانات اور خیالات ملک کے اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔ حکومت کو ان کا نوٹس لینا چاہیے تھا کیا اس طرح کے بیانات اور خیالات کے اظہار کی جرات اور ہمت کیسے اور کیوں ہو رہی ہے؟ ایسے ملک دشمن اور غیر محب وطن عناصر کی غیر شگفتہ بیانوں اور بزلہ سنجیوں کا نوٹس نہ لینا دو قومی نظریہ، پاکستان کی تخلیق اور حضرت قائداعظمؒ کے پاکستان کے ساتھ محبت و عقیدت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ اس ارض پاک کے اتحاد تنظیم اور یقین محکم پر براہ راست حملہ ہے جسے کوئی بھی محب وطن پاکستانی برداشت نہیں کرے گا۔ اگر ایسے عناصر پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا پسند کرتے ہیں تو یہ کن ملک دشمن عناصر کا ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ کیا پاکستان دشمن افراد کو مزید گل کھلانے کا موقع فراہم نہیں کیا جا رہا؟ کیا ان غیر ذمہ دارانہ حرکات سے دو قومی نظریے اور پاکستان کی تخلیق کے اصل محرکات کا ملیا میٹ نہیں کیا جا رہا؟ کیا ان بلا جواز اور بے مقصد بیانات سے یہ واضح مقصود ہے کہ برصغیر کی تقسیم غلط ہوئی تھی اور پاکستان کا وجود ایک احمقانہ سیاسی حرکت تھی؟ ہم اس ضمن میں گذارش کرنا چاہیں گے کہ ایسے عناصر کو کیفر کردار

تک پہنچایا جائے وگرنہ ملک و قوم دشمن عناصر کے اس انداز ذوق و شوق کو اور بھی خطرناک بھڑکیلی آنچ میسر آئے گی۔ انہیں مزید حوصلہ ملے گا۔

یہاں ایک سوال ذہن میں انگڑائی لیتا ہے کہ جب برصغیر کے مسلمان آزادی و خود مختاری کی جگر خراش اور صبر آزما جدوجہد میں ہمہ تن مصروف عمل تھے تو کیا اس وقت بلوچوں نے آزاد بلوچستان کی تخلیق کے لیے کسی موہوم سے بھی خواہش کا اظہار کیا تھا؟ کیا سندھیوں نے ایسا کرنے کے لیے کوئی تجویز حضرت قائداعظمؒ کے خدمت میں پیش کی تھی؟ کیا سرحد والے آزادی کے حصول کے لیے انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ برسرپیکار ہوئے تھے؟ کیا پنجابیوں نے کوئی آرزو، کوئی تحریک، کوئی منصوبہ طے کیا تھا کہ برصغیر میں صرف پنجابستان معرض وجود میں آئے گا؟ ایسا قطعاً نہیں تھا، ایسا سوچنا بھی گناہ کبیرہ تھا۔ اسلامیان ہند نے کامل اتحاد و اتفاق کے ساتھ ایک ہی نعرہ لگایا تھا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان --- بٹ کے رہے گا ہندوستان" --- یہاں پاکستان کا مطالبہ صرف اور صرف تمام مسلمانان ہند کا تھا کسی بلوچی، سندھی اور پنجابی کا نعرہ نہیں تھا فقط مسلمانوں کا یہ نعرہ اور مطالبہ تھا۔ اب جبکہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے ۴۳ سال ہو چکے ہیں مرکز سے مکمل صوبائی خود مختاری اور علیحدگی کے فرسودہ تصورات و نظریات، ملک دشمن نعرے، اسلام دشمن پراپیگنڈے، پاکستان کی سالمیت و استحکام کو کھوکھلا کرنے کے ہتھکنڈے، ملک و قوم کو اندرونی طور پر کھوکھلا کرنے کے حربے اور مواقع کون دے رہا ہے۔ جنہیں ہندوستان سے قلبی وابستگی ہے وہ اپنے محبوب ملک کی شہریت اختیار کر لیں جسے روس سے ذہنی لگاؤ ہے وہ بڑے شوق سے ماسکو کی شہریت اختیار کر سکتا ہے لیکن پاکستان کے غیور عوام یہ بات قطعی طور پر پسند نہیں کریں گے کہ وہ افراد جو چند گنتی کے ہیں انہیں تمام ملت اسلامیہ پاکستان کی آزادی و خود مختاری کے مقدر کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دی جائے۔ اس ملک کی تخلیق میں حضرت قائداعظمؒ اور ان کے رفقائے کار کا خون جگر شامل ہے۔ حضرت قائداعظمؒ

کے طلباء کی بے سروسامانی کے عالم میں شبانہ روز محنت و مشقت کو دخل حاصل ہے پاکستان کے عمر رسیدہ بزرگوں' بچوں' جوانوں اور عورتوں کی بے اندازہ قربانیوں کو دخل حاصل ہے۔ پاکستان اپنے سینے پر اب تک ہندوستان کی طرف سے کی جانے والی کئی مرتبہ جارحیت کے زخم سمیٹے دنیا کے نقشے پر قائم دائم ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت قائداعظمؒ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ پاکستان اب تک قائم دائم ہے اور انشاء اللہ یہ قائم دائم رہے گا۔

ایچ ایم سیروائی جو کہ مہاراشٹر کے ایڈووکیٹ جنرل (۱۹۵۷-۷۴) تھے لکھتے ہیں "یہ سمجھنے کے لیے کہ جناح از مسلم لیگ تقسیم ہند کے ذمہ دار تھے ہمیں اپنے آپ سے سوالات پوچھنے چاہئیں اور پھر ان کا جواب دینا چاہیے۔ کیا مسلمانوں کا یہ خوف کہ وہ ہندو راج کے مستقل محکوم رہیں گے۔ درست تھا۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو کیا یہ قوم مستقل غلامی کے پیش نظر کاغذی تحفظ کی بجائے موثر تحفظات کی مستحق تھی؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کا خوف جائز تھا ڈیسائی لیاقت معاہدہ' سپرو کمیٹی رپورٹ آزاد کا خط بنام گاندھی اور اس کا کابینہ مشن کے سامنے انٹرویو اور مشن کے روبرو نیشنلسٹ مسلمانوں کا بیان۔ ان تمام نے تسلیم کیا کہ مسلمانوں کے خدشات جائز ہیں۔ کابینہ مشن بھی مطمئن تھا کہ مسلمانوں کے خطرات و خدشات درست بھی ہیں اور شدید بھی اور یہی مطالبہ پاکستان کی بنیاد ہے۔ البتہ سپرو کمیٹی' مولانا آزاد' نیشنلسٹ مسلمانوں اور کابینہ نے مسلمانوں کے خوف و خدشات کو تسلیم کر کے پاکستان کو بطور "حل" مسترد کر دیا۔ (ان کے خیال میں پاکستان ان مسائل کا حل نہیں تھا)۔۲

سیروائی کی یہ کتاب تاریخی لحاظ سے انتہائی اہمیت کی مالک ہے اور اس میں تحریک پاکستان کے ضمن میں حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں۔ مصنف نے بے لاگ تبصرہ پیش کیا ہے اور علمی سطح پر تقسیم ہند کے حقائق پیش کیے ہیں جس کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ تقسیم ہند کے ڈرامے میں کتنے گھناؤنے کردار بھی تھے اور انہوں نے اپنے

کرداروں کو کس قدر نبھانے کی کوشش کی۔ کیا کوئی فرد یا گروہ' کوئی سیاسی جماعت یا کوئی جماعتی اتحاد یہ سمجھے کہ پاکستان اس کی زر خرید جائداد ہے یا ان کے آباؤ اجداد انہیں ہبہ کرا کے دے گئے تھے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ پاکستان سب مسلمانوں نے متحد اور منظم ہو کر تخلیق کیا تھا اور اب بھی متحد غیرت مند اور منظم مسلمانوں کا ملک ہے۔

میرے محترم دوست نذیر طارق صاحب جو تنظیم کارکنان تحریک پاکستان کے ایڈیشنل سیکرٹری جنرل ہیں' میں ان سے ملاقات کی غرض سے پچھلے دنوں ان کے دفتر پہنچا تو جہاں اور دکھ بھرے قومی احوال پر انہوں نے تبصرہ فرمایا وہاں انہوں نے جس خاص موضوع پر بحث فرمائی وہ خاصی اہمیت کی حامل ہے یعنی حضرت قائداعظمؒ کے صف اول کے رفقاء اور ہماری سیاست۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ قابل احترام لوگ جن میں خان لیاقت علی خان' خواجہ ناظم الدین' نواب محمد اسماعیل خان' نواب بہادر یار جنگ' مولانا حسرت موہانی' مولانا ظفر علی خان اور سردار عبدالرب نشتر جیسے قائدین شامل تھے یہ کیسے لوگ تھے جنہوں نے حضرت قائداعظمؒ کی قیادت پر لبیک کہا اور پھر اپنا تن من دھن ان کے حکم کے لیے اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے قربان کر دیا۔ نذیر طارق صاحب بڑے انہماک سے باتیں کر رہے تھے اور میں تصور ہی تصور میں ان قابل احترام ہستیوں کی زندگی کا جائزہ لے رہا تھا کہ جب شہید ملت خان لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا تو ان کے جسم پر رفو شدہ اچکن تھی اور رفو شدہ بوٹ' بینک میں ہفتے بھر کا خرچہ بھی نہیں تھا اور ادھر عالم یہ تھا کہ حضرت قائداعظمؒ کے خاص معتمد اور دست راست تھے۔ مولانا حسرت موہانی جن کی اچکن کے نیچے کرتے کی بجائے پھٹی ہوئی بنیان ہوتی تھی مگر مسلمانان ہند کی آزادی و خود مختاری کے لیے ہر لمحہ کوشاں رواں دواں' بغل میں پاکستان کی تخلیق کے ضمن میں فائلیں دبائے متحدہ ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں نمائندگی فرماتے تھے' دوسرے کسی اور مقصد و لالچ سے بے نیاز ہمہ تن

معروف اور نظریں اسلامیان ہند کی آزادی کے حصول پر براجمان ہوتی تھیں۔ ساری توانائیاں اور قوتیں اس مقصد کے لیے صرف ہو رہی تھی کہ پاکستان کیسے اور کس طرح معرض وجود میں لایا جا سکتا ہے ــــ باتیں جاری تھیں کہ معاً میری نظر سامنے آویزاں حضرت قائداعظمؒ کی تصویر پر جا ٹھہری اور مجھے وہ خواب یاد آگئی جو مجھے ۱۹۷۶ء میں میسر آئی۔ اس خواب کا اہم پس منظر بھی تھا۔ دار صل ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ تک پاکستان پر کرب ناک دور ابتلاء رہا۔ حضرت قائداعظمؒ کے پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تھے "ادھر تم ادھر ہم" کے تصور سے ہی پوری قوم عجیب و غریب ذہنی ہیجان اور فطری اضطراب کا شکار ہو چکی تھی محب وطن افراد کا خون کھول رہا تھا اور اذہان متحیر و ششدر ــــــــ یہ پر آشوب دور پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دور کہلاتا ہے یوں لگتا تھا کہ جیسے اس ملک پر غیر ملکیوں کی حکومت ہے جو اپنی مرضی' منشا اور حکم کے مطابق حکومت چلا رہے ہوں اس دوران میں' میں نے سرگودھا میں قائداعظمؒ سرکل کے نام سے ایک علمی و ادبی مگر انتہائی نیم سیاسی انجمن کی بنیاد ڈالی۔ میں ان دنوں گورنمنٹ کالج سرگودھا میں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ قائداعظمؒ سرکل کو میں نے اپنے اسرگودھا کے احباب سے اتنا فعال بنایا کہ وہ اب سرگودھا کی تاریخ کا ایک درخشاں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اس خطرناک دور میں اپنے ساتھ شامل ساتھیوں کو اور بزرگوں کو آج بھی سلیوٹ پیش کرتا ہوں اس لیے کہ انہوں نے ہر مرحلہ میں میری حوصلہ افزائی اور اعانت فرمائی ــــ محترم محمد اقبال صاحب (تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ) سینئر ایڈووکیٹ اس قائداعظمؒ سرکل کے چیئرمین' چوہدری عبدالحمید بھٹی ایڈووکیٹ صدر' راقم الحروف جنرل سیکرٹری' تصدق حسین بلوچ ایڈووکیٹ فنانس سیکرٹری اور ملک محمد معظم سیکرٹری نشرو اشاعت تھے ــــ اسی دور آزمائش کے دوران مجھے کئی طرح کی دھمکیاں دی گئیں۔ ہراساں کرنے کے تمام حربے استعمال کیے گئے۔ نوکری اور زندگی اہم چیزیں ہوتی ہیں لیکن قلب و نظر میں نظریہ

راسخ ہو چکا تھا کہ پاکستان کو بے بہا قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے لہٰذا جب کسی صاحب حکومت کو پاکستان کی نمود اور تخلیق ہی سے کوئی تعلق نہ ہو' ہر طرح کے گل کھلانے کا کیا حق حاصل ہے۔ چنانچہ وہ خواب جس کا اوپر ذکر کیا گیا تھا یوں تھی کہ حضرت قائداعظمؒ انتہائی خوبصورت سجے پنڈال پر سرخ مخمل سے مزین سنہری کرسی پر جلوہ افروز ہیں "سرخ و سفید چہرہ سر کے سنہری بال' آنکھوں سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں' کریم رنگ کے سوٹ میں ملبوس' کرسی صدارت پر جلوہ فگن ———— مجھے بزبان انگریزی ارشاد فرمایا کہ "میرے عزیز میرے قریب آؤ' "میں انتہائی ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سر جھکائے ان کے قریب پہنچا تو مجھے انہوں نے اپنے دست مبارک سے تھپکی دی اور فرمایا کہ "اپنا مشن جاری رکھوں خدا تعالیٰ تمہیں برکت دے گا "میں آج بھی لاشعوری طور پر ان کی تھپکی کا اثر محسوس کرتا ہوں۔ میرے دل میں انتہائی حوصلے' ولوے' جذبے اور بے پایاں ہمت نے انگڑائی لی اور اپنے مشن کو زور شور سے جاری رکھا اور وقت نے پاکستان کے ٹکڑے کرنے والوں کا جو حشر کیا ہے وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

اسی جنون و خدمت کے دور میں مجھے ایک بار پھر حضرت قائداعظمؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس لمحے انہوں نے اچکن زیب تن کی ہوئی تھی یہ خواب فلم کی تصویر کی طرح میری نظروں میں آج بھی محفوظ ہے۔ حضرت قائداعظمؒ نے مجھے ایک خط عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ میرا پیغام پروفیسر مرزا منور صاحب کو پہنچا دو۔ چنانچہ میں نے حضرت قائداعظمؒ کا پیغام جیسا کہ حکم تھا' پروفیسر صاحب کی خدمت میں گوش گذار کر دیا۔ اس خط کا مفہوم کیا تھا' خدا تعالیٰ بہتر جانیں البتہ مجھے اتنا علم ہے کہ اس ہیجانی دور میں قائداعظمؒ کے پاکستان کے لیے میرے دل میں جو حب الوطنی کے جذبات و احساسات تھے مجھے اتنی بڑی ہستی سے دو مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میرا ایمان ہے کہ اگر مجھ جیسے ناچیز حقیر انسان کو چھوٹے سے حلقے میں پاکستان کی خدمت کرنے

کے اعزاز میں ملاقات قائد سے مشرف یابی نصیب ہوئی تو کیا ہمارے قائدین کرام اور رہنمایاں سیاست بھی روح قائد سے رہنمائی اور ہدایت حاصل نہیں کر سکتے؟ شرط صرف قوم کے ساتھ خلوص جذبہ ایثار اور نظریہ صداقت ہے۔

حفیظ روہانی نے صحیح فرمایا تھا۔

تجھے معلوم بھی ہے کچھ کہ صدیوں کے تفکر سے
کلیجہ کو پھونک کر کرتی ہے فطرت اک بشر پیدا

خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء لگ گیا اور پوری قوم کو اس درد ناک عزاب' کرب انگیز دور اور زہر آلود فضا اور مایوس کن حالات سے چھٹکارا حاصل ہو گیا شاید حضرت قائداعظمؒ کی خواب میں زیارت کی برکت کا نتیجہ یہی بر آمد ہونا تھا ـــــــــــ

حضرت قائداعظمؒ کے صف اول کے رفقائے کار جہاں علمی و سیاسی فضیلت سے مزین تھے وہاں وہ اعلیٰ پائے کے مقرر بھی تھے' اعلیٰ پائے کے انسان تھے' سچے مسلمان اور بلند ترین خطیب بھی تھے۔ جذبہ ایثار کے مالک' پیکر اخلاق تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک مخصوص بابرکت قافلہ تھا جو خاص وقت کے لیے تھا جب مشن مکمل ہو گیا پاکستان کا حصول ہو گیا تو اس قافلے کے سبھی درخشندہ ستارے باری باری اس دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔ بعد میں آنے والے حضرت قائداعظمؒ کے پاکستان کے قائدین و سیاستدانوں نے جو کچھ اس ملک و قوم کے لیے کیا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ پاکستان کے استحکام' سالمیت اور آزادی و خود مختاری کو پروان چڑھانے کے بجائے گروہی اور سیاسی وفاداریوں کو پروان چڑھایا گیا۔ جمہوریت کا ڈھنڈورا زور شور سے پیٹا گیا لیکن عملاً جمہوریت نافذ نہ ہو سکی۔ اپنی اپنی سات سات پشتوں کی فلاح و بہبود کا اہتمام تو ضرور ہوا لیکن پاکستان کے غریب عوام کے لیے کچھ نہ کیا گیا ـــــ قوم کو ایک بار پھر ملت کے پاسبان کی اشد ضرورت ہے بے لوث قائدین کی ضرورت ہے جو قوم کی پہچان

ہوں اور قوم کو ان پر فخر ہو ------

پاکستان اپنی سیاست میں ہارس ٹریڈنگ، تجارت میں بلیک مارکیٹنگ، اعلیٰ پیمانے پر سمگلنگ، حب الوطنی کے جذبے کی ایکٹنگ، قومی سطح پر بلیک میلنگ، غلط نظریات کی بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کنوینسنگ۔ کیا ملک انہی خصوصیات کو پروان چڑھانے کے لیے معرض وجود میں آیا تھا؟ حضرت قائداعظمؒ نے تو ان سب غلط روشوں سے باز رہنے کی تلقین کی تھی۔ بہرحال جب تک ہم اپنے دین اسلام کی پیروی میں شان رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی نہیں کریں گے سیاست میں انداز حضرت ابوبکرؓ قیادت میں جلالت حضرت عمرؓ سخاوت و ایثار میں روایت حضرت عثمانؓ، شجاعت و حمیت میں رنگ حضرت علیؓ جہاد میں جذبہ حضرت طارقؒ و حضرت خالدؓ پیدا نہ ہوگا ہم اقوام عالم میں تعظیم و تکریم حاصل نہ کر سکیں گے بلکہ ہمیں اپنی آزادی و خود مختاری کی بحالی کے لیے بھی انہیں اسلامی اصولوں پر چلنا ہوگا جو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے ہمیں عطا فرمائے تھے۔ ہمیں آج اپنی قیادت و سیاست میں حضرت قائداعظمؒ کا ایثار و اخلاص پیدا کرنا ہوگا وگرنہ کامیاب و کامران ہونا مشکل ہو گا

-------

عبدالحمید عدم نے کیا خوب فرمایا تھا۔

اک موج مچل جائے تو طوفان بن جائے
اک پھول اگر چاہے تو گلستان بن جائے
ہے قطرۂ خون میں طاقت اتنی
اک قوم کی تاریخ کا عنوان بن جائے

# حوالہ جات

۱۔ راوی۔ گورنمنٹ کالج لاہور قائداعظم نمبر ۷۶۔۱۹۷۵ء صفحہ نمبر ۲-۱

۲۔ تقسیم ہند۔ افسانہ اور حقیقت مصنف: ایچ۔ ایم۔ سیروائی ترجمہ اور اضافے' ڈاکٹر صفدر محمود۔ صفحہ نمبر ۱۷۸

# حضرت قائداعظمؒ' ہمارے سیاستدان اور قائدین کرام

دنیا کے تمام ممالک کسی نہ کسی نظریے پر قائم ہیں' اس طرح پاکستان بھی ایک مخصوص نظریے کی بناء پر معرض وجود میں آیا تھا' اور اس کا نظریہ دین اسلام ہے' کسی بھی نظریاتی ملک میں اگر کوئی شخص یا گروہ بنیادی نظریے کے ضمن میں معاندانہ یا مخالفانہ اقدامات کرتا ہے' تو فوری طور پر اس کی سرکوبی کر دی جاتی ہے۔ لیکن پاکستان میں معاملہ برعکس ہے۔ یہاں نظریہ پاکستان کے مخالفین کو زندگی کی جملہ تمام سہولتیں' مراعات اور آسائشیں میسر ہیں۔

ہمارا پاکستانی معاشرہ ان دنوں عجیب و غریب افراتفری' بدنظمی' اور انتشار اور افتراق کا شکار ہے' قوم ذاتوں' برادریوں' سیاسی دلچسپیوں' مطلب براریوں اور مطلب پرستوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ صوبائی اور لسانی تقسیم علیحدہ گل کھلا رہی ہے' دین کے اعتبار سے الگ فرقہ بندی' علم و دانش کے اعتبار سے الگ گروہ بندی' سیاسی اور معاشی لحاظ سے الگ گروہی تقسیم' معاشرتی اور سماجی لحاظ سے علیحدہ شیرازہ بندی' آپا دھاپی' شور و شغب' غل غپاڑے اور لوٹ کھسوٹ کے باعث جو نام دب کر رہ گیا ہے' وہ عزیز از جان پاکستان کا نام ہے۔ پاکستان جس پر لاکھوں جانیں اور ہزاروں عصمتیں قربان ہوئیں' اور اسلام کے لیے حاصل کیا گیا۔ افسوس اس نفسا نفسی میں فراموش کیا جا رہا ہے۔

پاکستان کی تخلیق کے لیے تقریباً ایک صدی کا طویل عرصہ صرف ہوا' یہ پوری صدی جنگ آزادی پر محیط ہے' جو ۱۸۷۵ء سے شروع ہوئی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی شکل میں انجام پذیر ہوئی۔ جنگ آزادی کی یہ کرب انگیز' دلخراش' اور دل شکن صدی' پاکستان کی آزادی و خود مختاری اور اس کی سالمیت و استحکام کا سیاسی پس منظر ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت و وقار' اور حکومت و سیاست سے دوبارہ ہمکنار کرنے کے لیے کس کس برگزیدہ ہستی نے اپنا خون جگر صرف کیا' سرسید احمد خان' سید احمد شہید' شاہ ولی اللہ دھلوی کی خدمات جلیلہ تاریخ کا روشن باب ہیں' سرسید احمد خان سے لے کر حضرت قائداعظمؒ تک متعدد سیاسی زعمائے کرام' مذہبی عمائدین اور قومی قائدین نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر مسلمانوں کے گلے سے طوق غلامی کو اتار پھینکنے کے لیے عظیم قربانیاں پیش کیں' یہ عظیم شخصیتیں سراپا ایثار اور سراپا عمل تھیں' انہوں نے قوم سے کوئی مالی مفاد طلب کیا نہ سیاسی مفاد۔ انہوں نے ذاتی اغراض پر قومی مفادات کو ہمیشہ ترجیح دی' کیا ہمیں اسی طرح برگزیدہ ہستیاں موجودہ دور میں نصیب ہیں' اس کا جواب شاید نفی میں ہو' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں شاید وہ مقصد عزیز نہیں رہا جو قیام پاکستان سے قبل حصول پاکستان کے لیے اختیار کا گیا تھا' ان کی تگ و دو جاہ و حشمت اور سیاسی کشمکش فقط اقتدار کی خاطر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی رہنما فکری وحدت' اشتراک عمل' باہمی تعاون' افہام و تفہیم اور روا داری کے اوصاف سے محروم ہو کر رہ گئے ہیں' بلاشبہ وفادار پاکستانیوں کی تعداد کروڑوں میں ہے' وہ غالب اکثریت میں ہیں' لیکن وہ سادہ لوحی میں مجمع باز سیاست دانوں کے جال فریب میں پھنس جاتے ہیں' یہ درست ہے کہ بعض ابن الوقت سیاست دانوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی اور انہیں حرص لالچ میں مبتلا کر دیا' یہ بھی درست ہے کہ عام لوگ بعض اوقات پیچیدہ قومی امور کو سمجھ نہیں پاتے اور ان کا اس بارے میں طرز

عمل درست نہیں ہوتا' یہ بھی درست' کہ عوام بسا اوقات سنجیدہ فکر قائدین کی جانب مائل نہیں ہوتے' لیکن اس مرض کا علاج بالا آخر حقیقی قائدین کو ہی کرنا ہوتا ہے' مولانا محمد علی جوہرؒ نے ایک موقع پر بجا طور پر کہا تھا کہ "رہبر وہ نہیں جو قوم کی ہر بات کی تائید کرتا جائے' رہبر وہ ہے جو اپنی دانش کے مطابق قوم سے صحیح بات منوائے۔"

ہمارے سیاسی قائدین کو ان سنہری اصولوں پر کار بند ہونا چاہیے۔ جو اصول حضرت قائداعظمؒ نے بذات خود اپنائے' مثال سے بڑی کوئی تلقین نہیں ہوتی ہمارے سیاست دانوں کو قومی اقدار و روایات اور ملی تقاضوں کا احساس ہونا چاہیے۔ انہیں اپنی ذمہ داریوںں سے کماحقہ' عہدہ برآ ہونا چاہیے۔ تاکہ ملک و قوم کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کیا جا سکے' سیاسی رہنماؤں کو وہ طریق سیاست اور وہ انداز قیادت اپنانا چاہیے' جو تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں کا طرۂ امتیاز تھا۔

حضرت قائداعظمؒ نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو فرمایا تھا کہ "آخر وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو تن واحد کی طرح متحد کر دیا تھا' اور وہ کون سا لنگر تھا جس نے اس سفینے کو غرق ہونے سے محفوظ رکھا' وہ تھا اسلام اور اس کی عظیم الشان کتاب قرآن۔ حضرت قائداعظمؒ ایک پکے اور سچے مسلمان تھے' یہی وجہ تھی کہ ان کی زبان میں' ان کے لہجے میں' ان کی تقریروں میں' ان کی گفتگو میں' ان کی سیاست و ذہانت میں' ان کی چال ڈھال میں اور ان کے خیالات و نظریات میں خدا تعالیٰ نے بڑی برکت اور بڑا زور عطا فرمایا تھا' وہ اسلام کے جان فروش اور جانباز سپاہی تھے' انہوں نے پاکستان کی تخلیق کے سلسلے میں ہر لمحہ اسلام اور قرآن نظریات و تعلیمات کو سامنے رکھا' چنانچہ اسلامی جذبے سے سرشار ہو کر پاکستان کی تخلیق کے لیے کوشاں رہے' جب ان کا مقصد عظیم حاصل ہو گیا اور پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر آیا تو آپ نے فرمایا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہو گی' اسلامی نظریات و تصورات کو زندگی کا شعار بنایا جائے گا' لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور حضرت قائداعظمؒ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے۔

حضرت قائداعظمؒ نے ۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو پشاور کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا' ہم پاکستان چاہتے ہیں' اسے حاصل کرنے کے لیے اگر ضرورت پڑی سر دھڑ کی بازی بھی لگا دیں گے' اس راہ میں ہمارے قدم کبھی نہ ڈگمگائیں گے۔ اور نہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے نصب العین سے پیچھے ہٹا سکتی ہے' ہم پاکستان حاصل کر کے دم لیں گے۔"

"برصغیر میں بسنے والی دونوں قومیں ہندو اور مسلمان کا مطالبہ آزادی حق و انصاف کی آواز ہے' چونکہ ہمارا مطالبہ حق و انصاف پر مبنی ہے' اس لیے ہمیں یقین کامل ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت یا حکومت ایسی نہیں ہے جو ہمیں مطالبہ پاکستان کے نصب العین سے ہٹا سکے' مگر ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ اتحاد بین المسلمین' ثبات' عزم و عمل' کے ساتھ ہمیں قدم ملا کر فتح و کامرانی کی طرف بڑھنا چاہیے۔ ہم یقیناً پاکستان حاصل کریں گے۔"

اس مقدس سرزمین اور وطن عزیزی کی ۴۴ سالہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے' کہ اس مملکت خداداد پر ہمیشہ مصائب و آلام کے بادل منڈلاتے رہے' ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۹ء تک جو کچھ ہوتا رہا ہے' وہ آپ کے سامنے ہے' سب پاکستانی بڑے صبر و تحمل اور کمال حوصلے اور بردباری کے ساتھ دیکھتے رہے ہیں' اور دیکھ رہے ہیں' نت نئے مسائل' نت نئی سیاست' نت نئے خطرات اور عذاب سر اٹھاتے رہتے ہیں' اور ان میں مستقبل قریب میں کوئی کمی واقع ہونے کا امکان نہیں' بھارت کی طرف سے الگ بے شمار خطرات و مسائل کا سامنا ہے' کبھی جنگ کے خطرات' کبھی کشمیر کا مسئلہ' دریاؤں کے پانی کا مسئلہ وولر بیراج' ایٹمی توانائی کے معاملات' سیاچین گلیشیئر کے مسائل' وغیرہ ابھی تک جنگ کے لیے خطرے کا سگنل ہیں۔

بہرکیف ۱۹۵۶ء میں سکندر مرزا کی صدارت کے دور میں دستور معرض وجود میں آیا' اس وقت وزیر اعظم چوہدری محمد علی تھے' لیکن ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب خان نے

مارشل لاء نافذ کر کے اس دستور کا خاتمہ کر دیا اور ۱۹۶۲ء میں ایک دستور مرتب کیا گیا' جو ایوب خان کی حکومت کے سبکدوش ہونے تک نافذ رہا' لیکن افسوس اور شرمندگی کی بات یہ ہے کہ ایوبی حکومت ملک کو سالمیت و استحکام سے ہمکنار نہ کر سکی' عوام کی ہمدردیاں اور وفا داریاں بھی حاصل نہ ہو سکیں' اور نہ ہی قومی تعمیر و ترقی اور ملکی مسائل و معاملات کا حل پیش کیا گیا' البتہ کاریں ' موٹریں' کوٹھیاں' سمگلنگ' چور بازاری' رشوت خوری' اقربا نوازی' سامان حسن اور عیش و نشاط میں ضرور اضافہ ہوا۔ اور ہمیں حقیقتاً" اس ترقی و کمال پر خاصا ناز رہا ہے' اس دور میں عوام کا سیاسی شعور بیدار کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی' ایوب خان کے بعد جنرل یحییٰ خان برسر اقتدار آ گئے' ان کا دور ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لیے بڑا لمناک' اندوہناک اور خطرناک دور تھا' جنرل یحییٰ خان نے جس تاریخ کو تخلیق کیا' وہ روز روشن کی طرح واضح ہے دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ جس میں پاکستان کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا' ۹۰ ہزار فوجی مسلمان ہندوستان کی قید و بند میں چلے گئے۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ اتنی بڑی تعداد مجاہدین وطن کی جن کی مشکیں کس دی جائیں اور انہی جنگی قیدی بنا دیا جائے علاوہ ازیں حضرت قائداعظمؒ کے متحدہ پاکستان کو لخت لخت کر دیا گیا۔

ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں' "اگرچہ یحییٰ خان نے اپنی حکومت کو جمہوری رنگ دینے کے لیے جناب نورالامین کو وزیراعظم اور بھٹو کو ڈپٹی وزیراعظم مقرر کر رکھا تھا' مگر جیسا کہ نامزد وزیراعظم نے بعد میں انکشاف کیا' یحییٰ خان کسی کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ جنگ میں یحییٰ خان کی دلچسپی کے احوال نامزد وزیراعظم کے ایک بیان سے ظاہر ہیں' جب ڈھاکہ کے درو بام جل رہے تھے' اور جنگ زوروں پر تھی وہ غیر معمولی رنج و غم کی حالت میں ملاقات کے لیے گئے تو یحییٰ خان' چیف آف سٹاف جنرل عبد الحمید کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف مزے کر رہے تھے

جنگ کے بارے میں نورالامین کے استفسار پر یحییٰ خان کا جواب یہ تھا کہ "ہم مجبور ہیں، مگر جنگ جاری رہے گی۔" اگلے روز فوج نے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیئے۔"[۱]

جنرل یحییٰ خان کی شکل میں یہ وہ تحفہ تھا جو صدر ایوب خان پاکستان کو دے کر خود کنج عزلت میں تشریف لے گئے، چنانچہ سیاست دانوں اور قائدین کرام نے جس طرح گل کھلائے، الامان اور الحفیظ، انہوں نے ملک بھر میں سیاسی نفرت و حقارت، انتشار و افتراق لاقانونیت اور بدنظمی کی جو آگ لگائی، جو تماشے اور ہنگامے پاکستان کے محب وطن عناصر نے اپنی آنکھوں سے دیکھے، یوں لگتا تھا کہ گویاپاکستان کی کشتی ڈوب رہی ہو، اور ملاحوں نے ایک دوسرے کے گریباں پکڑے ہوئے ہوں۔ کیا یہ قیادت اور یہ سیاست تھی جو حضرت قائداعظمؒ پسند کرتے تھے۔ شاید ان کی روح بھی قبر میں تڑپ تڑپ جاتی ہو گی۔

وہ قائداعظمؒ جن کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم برصغیر کے وقت یہی کہا تھا کہ "برطانوی حکومت کا منشاء یہ تھا کہ ہندوستان، متحد رہے، لیکن ایسا صرف قائداعظمؒ کی وجہ سے نہ ہو سکا" اس نے اپنے انٹرویو میں کہا ہے۔

"مجھے صرف اس مقصد کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا" کہ میں اس ملک کو کسی نہ کسی طریق سے متحد رکھوں، اور متحدہ ہندوستان ہی کو اقتدار منتقل کروں، ہم دو سال بعد اس عظیم ملک کو چھوڑ رہے تھے، اگر ہم اسے متحدہ ہند کی صورت میں چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ نہ صرف ایٹلی گورنمنٹ کا تاریخ معرکہ ہوتا، ہندوستان کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا، میرے نزدیک ایک الم انگیز حادثہ تھا۔ جس سے اس متحدہ ملک کی قوت پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس مقصد کے لیے بھرپور کوشش کی، دن رات ایک کر دیئے راتوں کی نیند حرام کر دی، لیکن میرے اس مقصد کی راہ میں ایک ہی شخص حائل تھا۔ جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا۔ جو چٹان کی طرح میرے مقصد میں سد راہ

تھا' اور وہ تھا' "قائداعظمؒ"' مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ۔" ماؤنٹ بیٹن نے محض اس خیال سے کہ "میں اب عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں' بہت بوڑھا ہو چکا ہوں' اس عمر میں غلط بات نہیں کہوں گا' قائداعظمؒ کے متعلق کہا تھا۔

میں تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا' مسٹر محمد علی جناح کی ذات اور شخصیت تھی' اس میں میں نے منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا' اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر شائد ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے۔" ۲

پاکستان خدا تعالیٰ کا تحفہ اور نعمت غیر مترقبہ ہے' اس ملک کی آزادی اور خود مختاری کی دلدوز اور خونچکاں داستان پوری ایک صدی کے طویل عرصے پر محیط ہے۔ جس میں آہیں بھی ہیں اور سسکیاں بھی' جس میں تڑپ کی امیدوں کی دھوپ کو خوفناک سایوں سے ہمکنار نہ کریں' نفرتوں کی بجلیوں سے تباہ و برباد نہ کریں' صوبائیت کے شراروں سے تہ و بالا نہ کریں۔ اس ملک کی آزادی و سالمیت کو لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کے طوفانوں سے دو چار نہ کریں' اس لیے کہ یہ ملک عظیم ترین قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا۔ ابھی تو تقسیم ہند کے باب میں مسلمانان ہند کی شہادتوں کے زخم ہرے بھرے ہیں' مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا داغ' داغ جگر بن کر رہ گیا ہے' پاکستان کے حصے بخرے کرنے والے ٹولے کو اب مزید تیر نہیں آزمانے چاہئیں' حضرت قائداعظمؒ کے پاکستان کے سینے پر اتنے زخم آچکے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ اب مزید زخموں کی گنجائش نہیں۔

فرزندان توحید متحد ہو جائیں' اور تاریخ کے آنے والے سنگین دور کا تجزیہ فرمائیں۔ اپنے قومی اور ملی فرائض کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ حضرت قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے عقیدت مندوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ پاکستان کے سچے اور پکے مسلمان دانشوروں' ادیبوں' شاعروں' پروفیسروں' طالب علموں اور اہل قلم حضرات کو موقع کی نزاکت کے پیش نظر اپنے قلمی جہاد کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ باطل

قوتیں ان پر غلبہ حاصل نہ کر سکیں، وگرنہ وقت ان کی ملکیت میں نہیں رہے گا۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

اگر بنی نوع انسان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اقوام عالم کو کسی نہ کسی نظریے یا نعرے نے جوش و خروش، یقین محکم، استقامت و استقلال، نئے ولولے، نئی زندگی اور امنگ سے ہمکنار کیا ہو گا، کسی بھی قوم کے زوال کا آغاز، اس لمحے شروع ہو جاتا ہے جب کسی قوم کو کوئی نظریہ یا نعرہ دینے والی شخصیات کو قوم کے مخصوص تعمیری اداروں سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے اور ان کی جگہوں پر ایسے افراد کو متعین کر دیا جائے جو تکبر، نخوت اور نمائشی علمی قوت اور جھوٹے دعووں کے علمبردار ہوتے ہیں، ان میں چونکہ قومی سطح پر جوہر خالص کا فقدان ہوتا ہے، لہٰذا قوم میں انتشار بد نظمی اور افراتفری کا باعث بنتے ہیں اور قوم کا شیرازہ بکھیر دیتے ہیں۔

مثنوی مولانا روم میں ایک بڑی سبق آموز حکایت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اس طرح ہے، کہ ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے کچھ پڑھ کر ایک جانور کی ہڈی پر پھونکا، جس سے وہ مردہ زندہ ہو کر اٹھ گیا۔ چنانچہ اس شخص نے حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا کہ آپ نے کیا پڑھ کر دم کاہے کہ اس مردے میں جان آ گئی۔ حضرت عیسیٰؑ نے چند کلمے بتائے، جن کو پڑھ کر اس شخص نے پوچھا کہ میرے دم کرنے سے مردے میں جان کیوں پیدا نہ ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ کا جواب قابل غور ہے

تا عمرھا بایست شد دم پاک شد
تا امین مخزن افلاک شد

ترجمہ : دم کو پر اثر بنانے کے لیے عمر بھر کی ریاضت درکار ہے، جب تک انسان ریاست نہ کرے، تب تک اس کو مخزن افلاک حاصل نہیں ہو سکتا۔

امتیاز محمد خان اس حکایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "اس قصے کا ماحصل یہ

ہے کہ انسان کی شخصیت سے دوسرے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ ریاضت سے انسان میں سوز یقین پیدا ہوتا ہے اور پرسوز یقین کی صحبت میں جو کوئی بیٹھتا ہے وہ بھی پرسوز ہو جاتا ہے۔ اسی سوز سے دنیا کا رخ بدلتا ہے۔ گویا واقع گر انسان ہے' اگر ایک واقعہ سے دوسرا پیدا ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کا سبب ہے۔ اصل سبب انسان ہے ' واقعہ نہیں۔ اسی طرح برے واقعات برے انسان پیدا کرتے ہیں۔"[۳]

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ "قائداعظمؒ اپنے ایمان کی قوت کے باعث اور اپنی بے مثال امامت کے سبب سے پوری قوم کے لیے رشتہ اتحاد بن گئے تھے۔ ان کے پیروؤں اور ان کی ملت کے پاسبانوں' ہادیوں اور قائدوں نے اس بنیادی بات کو رد کر دیا۔ رد کیوں نہ کرتے' جب اخلاص کا وہ درجہ و معیار میسر ہی نہ ہو تو کیا ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایک وقت وہ بھی تھا کہ قائداعظمؒ نے قوم کی بے بصری دیکھ کر کچھ مدت خاموشی اختیار کرلی تھی۔ انہوں نے اس زمانے میں یہ فرمایا تھا کہ میری قوم کا ایک حلقہ ہندو کا دامن پکڑے ہوئے اور دوسرا انگریز کا خیمہ بردار ہے۔ لیکن اگر وہ جاہ پرست ہوتے اور کسی نہ کسی طرح بہرحال اپنی تصویر اور تقریر کے بل پر ہی زندہ رہنے کے خواہاں ہوتے تو ایک نہ ایک گروہ کے ساتھ نتھی رہ کر تصویر کھینچواتے رہتے تقریر چھپواتے رہتے اور اس طریق سے سیاسی بیوپار میں شریک رہتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا وہ قائد تھے۔ انہیں قوم کو راہ دکھانا تھی اگر قوم کسی غلط راہ کو اختیار کرنے پر مصر تھی تو وہ محض قوم کو خوشنودی کے لیے اپنے نظریات کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ہم نے یہاں دیکھا ہے کہ ووٹ کا شکار کرنے کی خاطر یا ووٹوں کی بحالی کے پیش نظر یا ووٹوں کے کم ہو جانے کے خوف سے کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ ملت کہ مفاد کا تقاضا ہے' دیکھا یہ گیا ہے لوگوں کی مرضی کیا ہے' لہٰذا لوگوں کی مرضی کے مطابق بیان داغے گئے۔ اور دستور تراشے

گئے۔ اس ضمن میں سب سے واضح مثال وحدت مغربی پاکستان کی شکست کا مسئلہ ہے۔ محض مختلف علاقائی گروہوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر اور ووٹ کھینچنے کی خواہش میں اتحاد دشمن بیان بازی کا بیج ڈال دیا گیا۔ لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈال گیا' کسی نے یہ نہ کہا یہ امر ملت مسلمہ کے اجتماعی مفاد کے خلاف ہے۔ ہم اس کی مخالفت کریں گے۔" ۴

چوہدری نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "قائداعظمؒ سے زیادہ بڑا پاسبان ملت کسی قوم کو نہ ملا ہو گا۔ ان کو ہر وقت ملت کے مفاد کا خیال رہتا تھا' خواہ اس طرح انہیں بڑی سے بڑی مشکل میں بھی پڑنا پڑے۔ انہیں کبھی اپنی ذات کی پرواہ نہ تھی' بلکہ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی صحت ملت کے فکر میں خراب کر لی۔

ملت کی امنگیں' ملت کے جذبات' ان کے دل کی دھڑکنیں تھی' اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اگر ملت کو جسم قرار دیا جائے تو قائداعظمؒ اس کی جان تھے۔ میاں بشیر احمد مرحوم نے ایک حقیقت کو شعر کا لباس پہنا دیا ہے اور بس۔

میں نے اس زمانے میں دیکھا کہ جہاں کہیں قائداعظمؒ تشریف لائے' حاضرین رقت قلب سے اکثر چشم پر نم ہوئے تھے اور ہم سب محسوس کرتے تھے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کرنے والا جس پر ہم پوری طرح سے اعتماد کرتے ہیں ہمارے درمیان موجود ہے اور ہر وقت ہماری بھلائی کا خیال رکھتا ہے۔

ان میں ایک قوت ایمانی تھی۔ ایک یقین محکم تھا کہ پوری قوم ان کی آواز پر لبیک کہتی تھی۔ اور ہر آواز پر پوری اترے گی۔ اس لیے وہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے پورے اعتماد کے ساتھ اپنی پالیسی کا اعلان کیا کرتے تھے اور جو کچھ فرماتے اس پر اس طرح قائم رہتے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنے موقف سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔ ۵

حضرت قائداعظمؒ برصغیر میں ایک نہ ٹلنے والا پہاڑ تھے۔ ہندو اور انگریز کے لیے

استقامت و استقلال" کا بحر بیکراں تھے' روحانی قوت و استعداد سے مملو' ایک نحیف و نزار' مگر پاکیزہ فکر اور پاکیزہ روح ولا انسان' جنہوں نے اپنی قوم کو ہمیشہ زندہ روح بیدار کرنے کی تلقین فرمائی' وہ روح جو انسان کو بامقصد اور بامعنی بنا دیتی ہے' چنانچہ انہوں نے لاہور میں ۱۹۴۱ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "جدوجہد سے گزر رہے ہیں اس سے بلاشبہ مادی فائدے بھی وابستہ ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ قیمتی وہ شے ہے جس کو مسلمانوں کی روح کہا جاتا ہے اور جس کے بغیر ان کی ہستی باقی نہیں رہتی' اگر ہم اس معرکے میں ہار گئے تو ہمارا سب کچھ لٹ جائے گا' ولندیزوں کے ایک محاورے کی زبان میں ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ دولت کا چھن جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور اگر ہمت چھن جائے تو کچھ ضرور چھن جاتا ہے۔ اور اگر عزت نہ رہے تو بہت کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن روح کا چھن جانا ہر شے کا چھن جانا ہے۔"

بیسویں صدی کے جتنے بھی قائدین قرطاس سیاست پر ابھرے ہیں۔ ان تمام میں حضرت قائداعظم" کی مثال بے مثال ہے۔ ان کی قدر و منزلت بے پایاں ہے۔ ان کا مقام بے انتہا ہے تاریخ میں ایسا قائد شاید مشکل سے پیدا ہو۔ جس نے مشکلات و مصائب کے بھنور میں مبتلا قوم کو آزادی و خود مختاری کے بلند ترین منصب پر فائز فرمایا۔ غلامی و پستی کے گڑھے سے نکال کر قابل احترام اقوام کی صف میں لا کھڑا کیا۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہماری قوم نے آزادی و خود مختاری کی قدر کی نہ اس کی اہمیت کا احساس کیا ہے۔ تخلیق پاکستان کے مقاصد ابھی تک ہمارے لیے واضح نہیں ہو سکے' یہ قومی بدبختی اور بدقسمتی ہے۔

"قائداعظم" کے ذہن میں ایک آزاد معاشرے کے سیاسی رہنماؤں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا جو تصور تھا وہ دوسرے کانگریس زعماء سے قطعی طور پر مختلف تھا جس کے نتیجے میں ان کے اور دوسرے کانگریسی قائدین کے مابین اختلاف کی وہ خلیج حائل ہو گئی جس کو پاٹنا مشکل ہی نہیں' ناممکن مسئلہ بن گیا۔ وہ دراصل کسی مرحلے پر بھی

منافقت اور سمجھوتہ بازی کے قائل نہ تھے۔ ان کا اپنا کردار صاف ستھرا اور بے داغ تھا۔ اسی باعث وہ کسی بھی بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے جھکنا پسند نہ کرتے تھے۔ ان کی راہ میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہوئیں لیکن انہوں نے کبھی بھی ان رکاوٹوں کی پرواہ نہ کی۔ کانگریس سے علیحدگی کا تصور قائداعظمؒ کے ذہن میں دسمبر ۱۹۲۸ء میں اس وقت پیدا ہوا جب پنڈت موتی لال نہرو کے اپنے رویے نے واضح طور پر یہ بات ثابت کر دی کہ کانگریس خالصتاً ہندو فرقہ پرستوں کا ٹولہ ہے۔ اور اس میں کسی خود دار اور باعزت مسلمان کے لیے کوئی جگہ نہیں، عملاً یہ وہ دور تھا جب منافقت اور سمجھوتہ بازی کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ چنانچہ اس وقت قائداعظمؒ کو بے شمار مشکل مراحل سے گزرنا پڑا کہ وہ تو نہ منافقت کے قائل تھے نہ ہی سمجھوتہ بازی پر یقین رکھتے تھے۔ ادھر متحدہ ہند کے کروڑوں پسماندہ اور مجبور مسلمانوں کے مستقبل کا مسئلہ تھا، چنانچہ قائداعظمؒ نے پوری طرح بڑی سنجیدگی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا اور کانگریس کو خیرباد کہہ کر ایک فیصلہ کن تقریر میں اپنے خیالات کا یوں اظہار فرمایا، ''ہمیں ایک کامل مسلمان جماعت بنانے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی جماعت جس میں مکمل اتحاد و اتفاق ہو جس کا ہر رکن اپنی عزت و حرمت کی خاطر جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ بلکہ ہمیشہ اپنے عقیدے، تہذیب اور کلچر کے تحفظ کے لیے سینہ سپر رہے۔'' ٦

گو حضرت قائداعظمؒ کا جسد خاکی ہم میں آج موجود نہیں ہے، تاہم ان کا چشمہ ہدایت اور نور قیادت، آج بھی پاکستان کے مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

قائداعظمؒ کا ہر قول و عمل موجود ہے
نالہ افشانی پھر ان کی موت پے بے سود ہے

کاش ہماری قوم میں پھر کوئی قائداعظمؒ پیدا ہو، تاکہ تعمیرپاکستان کا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے جسے حضرت قائداعظمؒ نے پسند فرمایا تھا۔ خواجہ ناظم الدین جب گورنر جنرل مقرر ہوئے تو یوم قائداعظمؒ کے ضمن میں ۲۵ دسمبر ۱۹۵۰ء کو انہوں نے حضرت

قائداعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''قائداعظمؒ جیسی شخصیات دنیا میں ہزاروں سال میں کہیں ایک بار پیدا ہوتی ہیں۔ انہیں خدا تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے اس وقت بھیجا جب کہ ہر طرف مایوسی ہی مایوسی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے اپنی عمر کے اس حصہ میں جب دوسرے لوگ آرام کرتے ہیں مسلسل اور حق پروری کی بنا پر قلیل ترین عرصہ میں پاکستان قائم کر دیا۔ اگرچہ قائداعظمؒ جسمانی حیثیت سے ہم میں موجود نہیں ہیں مگر پاکستان کے کارنامے نے انہیں حیات ابدی بخش دی ہے ان کے بعد یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم پاکستان کو ان بلندیوں تک لے جائیں جہاں وہ لے جانا چاہتے تھے مگر اس کے لیے ہم میں سے ہر شخص کو اس بے لوث طریقہ سے پاکستان کی خدمت کرنی ہو گی جس سے قائداعظمؒ نے کام لیا تھا اور اپنے ذاتی مفادات اور ہر قسم کے اختلافات پس پشت ڈال کر صرف پاکستان کی ترقی کو اپنا نصب العین بنانا ہو گا اور بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرنا ہو گا۔''

ہمارے سیاسی قائدین اور عمائدین کو اپنے محترم قائدین جنہوں نے حضرت قائداعظمؒ کی رفاقت و قیادت میں اس عظیم ملک کو تخلیق کیا۔ کم از کم ان کی مثال ہی سامنے رکھیں۔ اور اس پاکستان کو بے شمار قربانیوں کے بعد معرض وجود میں آیا' اس کے استحکام و سالمیت اور آزادی و خود مختاری کی برقراری کے لیے عمل پیرا ہوں۔ وگرنہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

اثر صہبائی نے غالباً'' ایسے ہی قائدین کرام اور مدبرین ملت کے ضمن میں فرمایا تھا۔

نہ منصب کا لالچ' نہ سازش کا ڈر ہو
فقط تیری رحمت پہ جن کی نظر ہو
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!

نہ تن کی محبت، نہ دھن کی محبت
دلوں میں فقط ہو وطن کی محبت
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!

# حوالہ جات


۱۔ پاکستان کیوں ٹوٹا مصنف: ڈاکٹر صفدر محمود صفحہ نمبر ۲۲۰-۲۱۹

۲۔ ملت کا پاسبان مصنف: پروفیسر کرم حیدری (دیباچہ)

۳۔ سرگزشت تاریخ' اس کی اپنی زبانی' مصنف: امتیاز محمد خان صفحہ نمبر ۲۶۸-۲۶۷

۴۔ مضمون' قائداعظمؒ کا جانشین کون' ایک سوال اور اس کا جواب'.
تحریر: پروفیسر محمد منور مرزا روزنامہ "نوائے وقت" ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء

۵۔ مضمون' قائداعظمؒ میری نظر میں' تحریر: چوہدری نذیر احمد' رسالہ راوی' قائداعظمؒ نمبر ۷۶-۱۹۷۵ء گورنمنٹ کالج' لاہور۔ صفحہ نمبر ۳۴-۳۳

۶۔ مضمون "بیسویں صدی کا عظیم رہنما" تحریر: اسرار زیدی، "راوی" قائداعظمؒ نمبر گورنمنٹ کالج لاہور صفحہ نمبر ۸۵-۸۴

# حضرت قائداعظمؒ ایک بلند ترین قیادت

مرزا غالب فرماتے ہیں۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

تاریخ انسانیت میں بہت سی ایسی شخصیات رونق افروز ہوتی ہیں، جنہوں نے اپنے لیے اور اپنی اپنی اقوام کے لیے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ معیار زندگی قائم کیا، اپنی اقوام کے لیے عظمت و رفعت کے مینار بن کر ابھرے، اور تاریخ کے دھاروں کا رخ موڑ کر رکھ دیا، اس طرح کی شخصیات دینائے انسانیت میں بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔

انتہائی طلسمات و عجائبات سے معمور یہ دنیائے فانی، جس میں ہر قسم کی مخلوقات موجود ہیں۔ حیوانات و نباتات اور جملوات سے لے کر نبی نوع انسانی تک اگر بنظر عمیق پرکھا جائے جملوات میں ہر قسم کے احساس و ادراک اور ارادہ کا فقدان ہوتا ہے۔ نباتات میں ایک غیر شعوری اور غیر ارادی کیفیت کے ساتھ ساتھ غیر ارادی حرکات و سکنات اپنا جلوہ دکھاتی نظر آتی ہیں، مگر کمال کی یہ بات ہے کہ انسان میں احساس فہم و ادراک اور ارادہ و تخیل اپنے عروج پر ہوتا ہے، جسے ہم نفسیات کی زبان میں احساس عمل کا نام دیتے ہیں، اور یہی احساس عمل درحقیقت ہماری ذمہ داریاں اور فرائض ہیں، گویا تمام بنی نوع انسان خواہ وہ کسی بھی مذہب و عقیدے سے ہمکنار ہوں، یہ تسلیم شدہ

حقیقت ہو گی کہ انسانی ذمہ داری کا اصل مرکز و محور انسانی احساس و ادارک' عقل و دانش اور تخیل و ارادہ ہے' اسلام میں ان ذمہ داریوں کو شریعت کی زبان میں تکلیف کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعا(خدا تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا' لیکن اس کی وسعت کے مطابق)

حضرت علامہ سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔ "یہی وہ تکلیف کا تصور تھا' جو ذمہ داری اور فرض کے معنوں میں واضع کیا جاتا ہے۔ اور پھر امانت کے معنوں میں قرآن حکیم میں بیان ہوا' یہ امانت اور بوجوہ جملوات و بناتات اور حیوانات' بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں اور اونچے اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا' لیکن ان میں سے کوئی اس کو اٹھا نہ سکا۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔

انا عرصننا الا مانه علی السموت والارض و الجبال مابین ان
یحملنها و اشفقن منها حملها الانسان انه کان ظلوما جهولا

ترجمہ : "ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا۔

تو انہوں نے (فطری عدم صلاحیت کی بنا پر زبان حال سے) اس کو اٹھانے سے انکار کیا' اور اس سے ڈرے' پھر انسان نے اس کو اٹھایا لیا' بے شک وہ ظالم اور نادان تھا۔"

حضرت قائداعظمؒ کو خدائے لم یزل نے بچپن ہی سے کچھ انتہائی اہم ذمہ داریوں اور فرائض کی تکمیل کے لیے پرواج چڑھایا' جی آلانا صاحب اپنی کتاب (قائداعظمؒ۔ ایک ملت کی داستان) میں لکھتے ہیں "کہ قائداعظمؒ کا گھرانہ کوئی مذہبی گھرانہ نہیں تھا۔ وہ سیدھے سادھے مسلمان لوگ تھے بھولے سے عقائد کے مالک' بزرگوں کی مری مٹی پر حاضری دینے والے لوگ تھے' اور قائداعظمؒ کی پرائمری تعلیم بھی ایک اسلامی مدرسے

سے ہوئی۔"

جب آپ انگلستان میں بیرسٹری کے لیے تشریف لے گئے تو لنکنز ان جیسے ادارے کو اس لیے پسند کیا کہ اس ادارے کی ڈیوڑی والی کوس پر عالم انسانیت کو آئین و دستور سے نوازنے والوں کے جو نام درج تھے' ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درج تھا۔

حضرت قائداعظمؒ کو آغاز میں کوئی غیر معمولی ملازمت بھی حاصل نہ ہوئی تھی' ان کے گھریلو ماحول میں کوئی بلند و بالا علمی' دینی اور سیاسی شخصیت کی مثال بھی نہیں تھی۔ ان کی تعلیم و تدریس کے دوارن بھی کسی بڑی ہستی کا کردار شامل نہیں تھا' انہوں نے دیانت و امانت کے سنہری اصولوں کے لیے کسی بھی بزرگان دین سے براہ راست روشنی حاصل نہ کی تھی ' لیکن اس کے باوصف ان کا رخ سیدھا ور تیر کی طرح سیدھا رہا۔ اور بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز رہے' علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکلا گوہر فردا

جب مانٹیگو چیسفورڈ سکیم کے ضمن میں وزیر ہند مسٹر مانٹیگو ہندوستان آئے' انہوں نے ہندوستان کے اونچے اور چوٹی کے سیاست دانوں سے ملاقات کی' جن میں تلک' گھوکھلے' دادا بھائی' نورو جی اور محمد علی جناحؒ شامل تھے۔ مسٹر مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں محمد علی جناح کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا ہے' ایک صاف ستھرا' انتہاء سلیقہ مند نوجوان' جس کی چال ڈھال دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ منطقیانہ گفتگو کا ماہر' اپنی بات کو ٹھیک طور پر منوانے کا دعوے دار' وہ اپنی رائے میں کسی ترمیم کا روا دار نہ تھا' اگر ان کی پوری اور مکمل بات تسلیم نہ کی جائے' تو آدھی بات منوانے کے لیے کبھی راضی نہ ہوتے تھے' میں نے ان سے باتیں کیں' ان سے شکست کھا گیا' جب لارڈ چیس فورڈ نے ان سے گفتگو کی' تو جناح کی قوت استدلال

نے انہیں لاجواب کر دیا' وہ ایک انتہائی ذہین شخصیت ہے' جناح جیسے انسان کو نظام حکومت میں شامل نہ کر کے اس سے بڑی حقوق کی پامالی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

یونانی لیڈر' رومی پیرلل لاؤز' ایرانی شاہنامہ' ہندی مہابھارت' رامائن اور گیتا کیا ہیں' ہر قوم کے لیے ان کے اکابر اشخاص کی زندگیوں کو علم و جہل' ظلم و عدل' خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ الاراء عبرت آموز مثالیں تصور کیا جاتا ہے' کار تھیج کا ہیبال' مقدرینہ کا سکندر اعظم' روم کا سیزر' ایران کا دارا' یورپ کا نپولین' ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے۔ سقراط اور افلاطون' ارسطو اور دیو جانیس' اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں کی زندگی کا ایک خاص الگ اور نمایاں رنگ ڈھنگ ہے' نمرود' فرعون اور ابو جہل و ابولہب' قارون و ہارون کی ایک الگ زندگی اور ایک الگ شخصیت ہے' غرض دنیا کی سٹیج پر ہزاروں قسم کے زندگیوں کے نمونے جلوہ افروز ہوئے' اور ہوتے رہیں گے جو بنی نوع انسان کی عملی زندگی کے لیے فلاح بہبود تباہ و بربادی' تعمیر و ترقی' تخریب کاری و فریب کاری کا حسین امتزاج ہوتی ہیں۔

لیکن حضرت قائداعظمؒ جن کے ذمے خدا تعالٰی نے دس کروڑ مسلمانوں کی تقدیر کا فیصلہ لگا دیا تھا' معمولی صلاحیتوں اور معمولی سیرت و کردار کے انسان نہ تھے' خدا تعالٰی نے ان میں بے پایاں مومنانہ فہم و فراست' عزم و استقلال' شان و سطوت' علم و تدبر اور حوصلہ و جرات سے نوازا تھا'

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے'

اتقوا بفراسته المومن لدنه یری بنور اللہ

(ترجمہ۔ مومن کی فراست سے ڈور' اس لیے کہ وہ نور خداوندی کی مدد سے دیکھتا ہے)

دنیائے جمہوریت کی تاریخ میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ کسی فرد نے بحیثیت ممبر مجلس قانون ساز اپنے حلقے کے افراد کی اتنے طویل عرصے تک خدمات انجام دی

ہوں، جس طرح حضرت قائداعظمؒ نے انجام فرمائیں۔ آپ ۱۹۰۹ء بمبئی کے حلقے سے پہلی مرتبہ مرکزی لیجسلیٹیو اسمبلی میں منتخب ہوئے، اور ۱۹۴۷ء تک لگاتار تقریباً ۳۹ سال حق نمائندگی ادا کرتے رہے، اس حلقے سے جہاں ہندو، پارسی، مسلمان، اور عیسائی وغیرہ آباد تھے، کئی بار ایسا ہوا کہ آپ ملک سے باہر تھے، لیکن آپ کی غیر حاضری میں ووٹ آپ کے حق میں ڈالے جاتے رہے، اتنے بڑے حلقے کے افراد کی اس طرح پوری ذمہ داری اور جرات و استقامت کے ساتھ نمائندگی انجام دیا، کوئی معمولی کام نہیں تھا، اتنے بڑے حلقے کے افراد کے اعتماد کو بحال رکھنا آسان کام نہیں تھا، لیکن وہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے قلب وسیع لے کر آئے تھے۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعا

(ترجمہ : خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا، لیکن اس کی وسعت کے مطابق)

حضرت قائداعظمؒ کو خدائے وحدہ لا شریک نے اسی لیے قلب وسیع عطا فرمایا تھا، اور ان کی شخصیت کو انسانی سیرت کا دائمی نمونہ عمل بنایا، جن کا صحیفہ حیات اور اس کے تمام حصے ہماری نظروں کے سامنے ہیں، حضرت قائداعظمؒ کی زندگی کا کوئی واقع پردہ راز میں نہیں، ان کی سوانح اور حالات زندگی روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہیں۔ قائداعظمؒ کی سیرت انسانی معاشرے کے لیے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسانی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کے لیے قائداعظمؒ بے اندازہ موضوعات پر مبنی ایک بھرپور علم کی معیشت رکھتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال کھری، بات چیت کھری، صلح اور معاہدہ کھرا، اور ان کے سیادت اور قیادت کھری، انداز گفتگو کھرا، طرز تخاطب، بے عیب، انداز سیاست واضع اور نکھرا ہوا، ہیرا پھیری، مکر و فریب کا قائداعظمؒ کی شخصیت میں دخل ہی نہیں تھا۔ ان میں قدرتی طور پر ہیرا پھیری کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہ

تھی۔ وگرنہ خدا تعالیٰ نے جو مشن ان کے ذمہ لگایا تھا' وہ فرض جو ان کے قلب سلیم پر بوجھ تھا' اسے وہ کبھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ انہیں اپنے مقصد کے ساتھ عشق تھا' سچا عشق۔ لہٰذا وہ اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہوئے' اپنوں اور غیروں نے بھی تسلیم کیا کہ قائداعظمؒ کو اپنے موقف سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ کوئی ترغیب و تحریص کام نہیں دے سکتی۔ ان کے نظریات و خیالات واضع' ان کی خلوت و جلوت آشکارا تھی۔

راھرواں راخستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است دھم منزل است

(ترجمہ : چلنے والوں کو راستہ کی تکان نہیں ہوتی' کیونکہ عشق راستہ بھی ہے' اور منزل بھی)

حضرت قائداعظمؒ نے اپنے افعال و اقوال سے یہ ثابت کر دیا تھا' کہ جن لوگوں کی انسان خدمت کر رہا ہو' ان کے کسی اہم مقصد کے حصول کے لیے بھی اسے مشتبہ طریقے استعمال نہیں کرنے چاہئیں' ان کے لیے قوم کا مفاد اپنی ذات پر ہمیشہ مقدم رہنا چاہیے' انہوں نے سیاست میں استواری کو نجی زندگی سے زیادہ اہم تصور کیا' اور ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے' کہ کسی غلطی کے ارتکاب کی صورت میں بہت سے ایسے انسانوں کو نقصان عظیم پہنچے گا جو آپ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ہر ایک ہرن کی ناف میں کستوری نہیں ہوتی' ہر ایک سیپی میں موتی نہیں ہوتا' ہر دھات سونا نہیں ہوتا' حضرت قائداعظمؒ برصغیر کی انتہائی بلند ترین شخصیت تھے۔ وہ ایشیا کے لیے روشنی کا مینار تھے' مسلمانان ہند کے سیاسی رہبر' ہمہ گیر صفات کے مالک' ان کی تیز تر دماغی قوت' نشتر صفت منطق' انتہائی واضح عقیدہ' اور قوت گویائی کا خدا داد ملکہ' یہ سبھی اوصاف حضرت قائداعظمؒ کی شخصیت میں رچے بسے تھے۔ وہ انسانیت کا بلند ترین شاہکار تھے۔ لہٰذا انگریز اور ہندو جیسی شاطر قوموں سے ایک الگ خطہ زمین آزاد کرا لینا تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ اس لیے کہ ان کی نسبت' ان کی

عقیدت' ان کا مرکز و محور اسلام تھا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و شیفتگی تھی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں میں سے تھے۔ حضرت قائداعظمؒ تخلقوا باخلاق اللہ کی مجسم تصویر تھے۔ جو لوگ انہیں ضدی' آمر اور ہٹ دھرم سمجھتے تھے یا سمجھتے ہیں' ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے خلوص دل سے اور نیک نیتی سے حضرت قائداعظمؒ کا ہر نقطہ نظر سے مطالعہ ہی نہیں کیا' تعصب کی عینک سے وہی کچھ نظر آتا ہے' جیسا کہ شیشوں کا رنگ ہوتا ہے۔

سر آغا خان اپنی خود نوشت سرگزشت میں لکھتے ہیں۔ "مجھے اپنی زندگی میں جن ممتاز سیاسی مدبرین کو اچھی طرح جاننے کا موقع ملا' ان میں کلے مین شو' لارڈ جارج' چرچل' کرزن' مسولینی' مہاتما گاندھی شامل ہیں۔ ان میں جناح سب سے زیادہ منفرد اور نمایاں تھے۔ ان میں سے کوئی مضبوطی کردار میں جناح کا ہم پلہ نہیں تھا' دراصل جناح میں رقت منظر اور عزم و استقامت کے اوصاف بدرجہ اتم ہم آہنگ تھے' اور یہی حقیقی سیاست ہے۔"

مضبوطی کردار ہی قائداعظمؒ کا وہ وصف انسانی تھا' جس کی وجہ سے صرف مسلمان ہی نہیں' دوسری اقوام کے افراد بھی' ان پر اعتماد' بھروسہ اور اعتبار رکھتے تھے۔ ایم۔ ایچ اصفہانی مرحوم اپنی کتاب میں کانجی دوار کا داس کی کتاب کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں۔ "۱۹۳۴ء میں جناح بمبئی کے مسلمان طبقے سے مرکزی مجلس قانون ساز کی رکنیت کے لیے امیدوار تھے' انہیں اپنی کامیابی کا بہت زیادہ اعتماد تھا' اور انہوں نے کوئی انتخابی مہم چلانے کی زحمت نہ کی' سر پرشوتم داس ٹھاکر داس اور میں' سب متفکر تھے' اور ہمیں جناح کے اس حد سے زیادہ اعتماد پر ہنسی بھی آتی تھی' کیونکہ وہ برابر یہ کہتے رہتے تھے' کہ یہ انتخاب کنندگان کی آزمائش کا وقت ہے' آخر کار سر پرشوتم داس اور میں نے ان کے لیے ایک سٹیم شپ کمپنی کے کپتانوں کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی' انتخاب کے دن جو کچھ ہوا' وہ قابل ذکر ہے۔ جناح کے ہندو دوستوں نے بغیر مانگے' سو کاریں

بھیج دیں، تاکہ وہ اپنے مسلمان ووٹروں کو انتخابی مرکزوں تک لا سکیں۔ انہوں نے مسٹر جناح کو لکھا کہ چونکہ انتخابی حلقے فرقوں کے لیے مخصوص تھے اس لیے وہ اپنے ووٹ انہیں نہیں دے سکتے تھے، لیکن وہ کم از کم اپنی مادر وطن کی کچھ خدمت اس طرح کرنا چاہتے تھے، کہ انہیں انتخاب جیتنے میں مدد دینے کے لیے اپنی کاریں دے دیں۔ حضرت قائداعظمؒ برصغیر کے سب سے بڑے قانون دان تھے، اور مسلمانان ہند انکی ذات پر مکمل اعتماد و اعتبار رکھتے تھے۔ غالباً اس کیوجہ یہی تھی کہ وہ امانت و دیانت کے پیکر تھے، ان کے دشمن اور دوست بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتے تھے کہ جناح کو خریدا نہیں جا سکتا۔ہندو لیڈر بھی اعتراف کرتے تھے کہ جناح کو نہ تو منصب کا لالچ دیکر انہیں اپنے مقصد حیات سے ہٹایا جا سکتا ہے اور نہ کسی دھمکی سے ڈرایا جا سکتا ہے۔

حضرت قائداعظمؒ ایک بلند ترین شخصیت کے مالک تھے۔ مگر اس کے باوجود انہیں اپنی خامیوں اور نقائص کا احساس رہتا تھا، ان کے مداح جب انہیں امیرالمومنین کہہ کر پکارتے، کیونکہ وہ مسلم معاشرے کے روحانی اور سیاسی لیڈر تھے، تو وہ فرمایا کرتے کہ مہربانی سے مجھے یہ نہ کہیں، کیونکہ مجھے آپ لوگوں کے مذہبی اور روحانی رہنما ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ میں تو صرف آپ کا سیاسی لیڈر ہوں۔ یہ تھی انکی عاجزی اور انکساری۔

حضرت قائداعظمؒ کو شروع شروع میں کوئی مقدمہ نہ ملتا تھا۔ بمبئی میں غیر معروف تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ نیم فاقے کی حالت بھی رہی۔ ان کے واقف کار اور احباب ایسے نہیں تھے کہ دوسرے وکلاء کی طرح ان کی بھی سرپرستی ہو سکتی، ان کے پاس دلال آتے تھے، جو ان سے اصرار کرتے تھے کہ ہمیں ہماری کمیشن دے دیا کریں۔ ہم آپ کو چھوٹے موٹے مقدمات لا کر دیا کریں گے۔ اگرچہ قائداعظمؒ کی حالت اس دور میں خاصی پتلی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی راست روی، ان کا شعبہ جاتی اخلاق اور اعلیٰ معیار قائم کرنے کی پابندی ہمیشہ مانع آئی، اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھوک سے

مر جاؤں گا، مگر اس طرح کی تجاویز قبول نہیں کروں گا۔

ایم۔ ایچ اصفہانی مرحوم لکھتے ہیں کہ "ان کی اعلیٰ انسان دوستی کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ جس سے عام لوگ عام طور پر واقف نہیں ہیں، ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت نامے سے یہ پتہ چلا کہ انہوں نے اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کا ایک بڑا حصہ لوگوں کی بھلائی کے لیے وقف کر دیا تھا، اور اس وقت سے کئی سکول، کالج، اور دیگر اداروں کو معقول رقمیں ملتی رہیں، یہ انسانی ہمدردی کا وہ معیار ہے جو حضرت قائداعظمؒ نے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے قائم کیا، انہوں نے اپنا سب کچھ اپنی قوم پر نچھاور کیے رکھا، لیکن اپنی قوم سے کچھ نہ مانگا، نہ مسلم لیگ سے کبھی خرچ وصول کیا، نہ قومی آمدنی سے کوئی رقم اپنی ذات پر خرچ کی۔ حالانکہ مسٹر گاندی، کانگریس سے بھی تنخواہ وصول کرتا تھا اور ہندو قوم بھی انہیں امداد دیتی تھی۔

تحریک پاکستان کے اوراق سے یہ واضح ہے کہ گاندی اور نہرو آخری وقت تک تقسیم ہند کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے، اور ان کی دیرینہ خواہش بھی یہی تھی، کہ حکومت جس طرح کی ہے، جیسی ہے، انگریز انہیں عطا کر جائے، سردار پٹیل نے گاندھی سے کئی مرتبہ کہا، کہ "مہاتما جی! یہ تقسیم ہو کر رہے گی۔ بے سود ٹکریں نہ مارو، اس لئے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا عظیم لیڈر میسر آگیا ہے، جو انتہائی قابل بھی ہے اور ناقابل خرید بھی۔" حضرت قائداعظمؒ صاف بات کہنے سے بالکل نہ جھجکتے تھے، انہوں نے نہرو اور پٹیل کے منہ پر کئی بار انہیں "ناقابل درست" کہا، بات دراصل یہ تھی کہ انکا انسانی سیرت و کردار اتنا بلند تھا، کہ لوگ ان سے مرعوب رہتے تھے، اس سے بڑی کردار کی کیا مثال پیش کیا جا سکتی ہے کہ ان کا دشمن بھی یہ بات تو نہ کہہ سکا، کہ جناح نے کبھی کوئی غیر قانونی یا غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہو، انہیں تو بچپن ہی سے خدا تعالیٰ نے ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا تھا۔ اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے ان کے جسم میں اتنی ہی قدرتی اور روحانی قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت کر دی تھیں، کہ

وہ بچپن کے زمانے سے ہی نظم و ضبط کے پابند' بااصول' بات کے پکے' اور اپنی لگن کے سچے تھے' اس وقت بھی پائے کے مقرر تھے' راست روی کے قائل' اگر کوئی چیز قابل توجہ تھی۔ تو وہ فقط پڑھائی لکھائی۔

چیف جسٹس لارڈ پیٹرک سپنس لکھتے ہیں۔ "ایسا کوئی مرد یا عورت اس دنیا میں نہیں' جو ان کی دیانتداری کے خلاف انگشت نمائی کر سکے۔ میرے احباب میں سے وہ سب سے زیادہ راست باز تھے' اور جہاں تک مجھے علم ہے' انہوں نے ساری زندگی ایک لمحے کے لیے بھی کسی کو فریب دینے کی کوشش نہ کی' وہ تو کسی کو دھوکے میں رکھتے ہی نہیں تھے' ان کا موقف ہمیشہ واضح ہوتا تھا۔"

حضرت قائداعظمؒ ایک کامل مرد مومن تھے' ان کی سیرت و کردار میں ولیانہ رنگ غالب تھا اس لیے کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا اور پکا عشق' لگاؤ اور عقیدت تھی' جس کا اظہار انہوں نے کئی مرتبہ فرمایا' ڈاکٹر میر ولی الدین اپنی کتاب "مرد مومن" میں تحریر کرتے ہیں' کہ "سیرت کی عمارت کا سنگ زاویہ لا الٰہ الا اللہ پر پختہ یقین ہے۔ تمام انبیاء کا اپنی قوم کو یہی پیغام تھا کہ' یا قومِ اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ "(اے قوم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود و رب نہیں' اللہ ہی لائق عبادت ہیں' استعانت انہی سے کی جا سکتی ہے' میرا سر انہی کے سامنے جھک سکتا ہے' غیر کے سامنے نہیں۔")

حضرت قائداعظمؒ کا سر سوائے خدا تعالیٰ کے حضور' کسی اور کے آگے نہیں جھکا' ان کے لہجے میں بھی جھکاؤ نہیں تھا۔ جس انداز سے اپنے خانسامے کو مخاطب فرماتے' اسی انداز سے وائسرائے ہند کو بھی مخاطب فرماتے۔ ایک مرتبہ مولانا حسرت موہانی انہیں ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ملازم نے بتایا کہ قائداعظمؒ نماز پڑھ رہے ہیں' مولانا منتظر رہے' جب خاصی دیر ہو گئی' تو مولانا برآمدے میں ٹہلنے لگے' اچانک ان کی نظر قائداعظمؒ کے کمرے کی کھڑکی پر پڑی' پردہ ذرا سرکا ہوا تھا۔ انہوں نے اندر جھانک کر

دیکھا کہ قائداعظمؒ ایک طویل سجدے میں مشغول ہیں۔ جب قائداعظمؒ تشریف لائے تو مولانا نے استفسار کیا کہ کیا بات ہے بہت طویل سجدے فرمائے جا رہے تھے' آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے حضور سجدے میں دعا کر رہا تھا کہ میرا جو قدم مسلمان قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اٹھ گیا ہے وہ قدم اب واپس نہ ہو۔

حضرت قائداعظمؒ اتنے محتاط شخصیت کے مالک تھے کہ جب بھی مسلم لیگ کی جانب سے یا مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد کے لیے اپیل کی اور چھوٹے بڑے چیک یا منی آرڈر موصول ہوتے تو ہر رسید پر بذات خود دستخط فرماتے' خواہ وہ رسید ۲۰ ہزار روپے کی ہوتی یا ۲ آنے کی' اور اس طرح شاید انہیں ایک روپے کی لاکھوں رسیدوں پر خود دستخط کرنے پڑتے تھے' وہ یہ کام کسی اور کے ذمے نہ لگاتے تھے۔ جب بھی اس معاملے میں ان سے کہا جاتا کہ یہ کام کسی اور کے ذمے لگا دیں۔ آپ انتہائی مصروف ہوتے ہیں تو فرمایا کرتے' "کہ ہرگز نہیں' رسیدوں پر مجھے ہی دستخط کرنے ہوں گے' کیونکہ ایک غریب آدمی جو دو آنے روانہ کرتا ہے' اس کا یہ عطیہ ۲۰ ہزار روپے روانہ کرنے والے کسی شخص سے کم تر نہیں' اس غریب آدمی کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ میں اس کی امداد کی کتنی قدر کرتا ہوں۔ اور اسکے عطیے کو قیمتی اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اس سے مجھے خوشی یہ حاصل ہوتی ہے کہ میری قوم کے افراد میرے شانہ بشانہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں۔

یہی وہ ہمہ جہتی اوصاف تھے' یہی وہ سیرت و کردار کی عظمت تھی' جس نے حضرت قائداعظمؒ کو دوسرے قائدین اور زعمائے کرام کے مقابلے میں انتہائی بلند و بالا مقام دیا تھا' وہ ایک کامل انسان تھے' زندگی کے ہر پہلو سے کامل' مرد مومن۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے شاید ایسے ہی افراد کے ضمن میں یہ فرمایا تھا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قران

محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ نے حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں یوں فرمایا تھا۔

"قائداعظمؒ نے زندگی کے تمام معرکے عزم راسخ' عالی حوصلگی اور پامردی کے ساتھ تن تنہا سر کئے۔ وہ جس بات کو صحیح سمجھتے تھے۔ اس سے ان کا والہانہ لگاؤ اور اپنے نصب العین سے ناقابل شکست عقیدت کو کم فہم لوگ غلطی سے ضد تصور کرتے تھے۔ ان کے عزم میں کس قدر بلندی تھی کہ وہ اپنے غم و اندوہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے تمام مصائب و آلام کا صبر و سکون اور تحمل و حوصلہ سے تن بہ تقدیر مقابلہ کیا اور اس وقت تک سینہ سپر رہے جب تک مرض نے قابو نہ پا لیا' جب انہوں نے دوسروں کو شریک کیا تو معاملہ حد سے گذر چکا تھا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر اس وقت بھی ان کے بس میں ہوتا تو وہ تن تنہا سینہ سپر رہتے۔"

میاں بشیر احمد صاحب مرحوم' اپنے ایک مضمون "اسلامی دنیا کے دو راہنما" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جس طرح اتا ترک نے ترکیہ کو سنبھال لیا اسی طرح قائداعظمؒ نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے لیے آزادی کی راہ کھول دی۔ جو ملک کے حالات جدا اور ہر رہنما کا کام بھی جداگانہ نوعیت کا ہوتا ہے "قائداعظمؒ نے جو کام کیا وہ اپنی جگہ بے نظیر تھا اور اس کے اثرات مدتوں تک اسلامی دنیا میں محسوس ہوتے رہیں گے۔

ہندوستان کے مسلمان مفلوک الحال تھے۔ غیر منظم تے۔ غیر مسلح تھے اور مایوس تھے۔ انہیں دو ایسی قوموں سے واسطہ پڑا تھا جو سیاسی اور اقتصادی طور پر ان سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں۔ خود مسلمانوں کے ہاں بے حد انتشار تھا۔ بہت سے بد دیانت اور خود

غرض لوگ بھی تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے سامنے کوئی نصب العین نہ تھا اور اس تاریکی میں ان کو غلامی سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ اقبالؒ نے ان کو اس نصب العین کی جھلک دکھائی اور قائداعظمؒ آزادی کے کٹھن سفر میں ان کے عملی رہنما بن گئے۔

آج سے کئی برس گزرے کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ خود محمد علی جناحؒ کو کبھی اس بات کا یقین نہ ہو سکتا کہ ایک دن وہ ایک نئی اسلامی مملکت کے بانی ہونے والے ہیں۔ کس طرح حالات نے ان کو قوم کا رہبر بنا دیا۔ یہ کتنی دلچسپ داستان ہے۔ پہلے برسوں وہ دو مختلف قوموں کو ایک قوم بنانے کے درپے رہے۔ باوجود سینکڑوں ناکامیوں کے وہ اس اتحاد کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ لیکن چالیس برس کے ذاتی تجربات نے ان کو یقین دلا دیا کہ آزادی کی اگر کوئی راہ ہے تو وہ یہی ہے کہ یہ دو ہمسایہ قومیں اپنی اپنی جگہ مکمل طور پر آزاد ہو جائیں، غیروں نے اسے ایک ناقابل عمل منصوبہ سمجھا، رقیبوں نے مذاق اڑایا مخالفوں نے برا بھلا کہا۔ اپنوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے، لیکن وہ محمد علی جناحؒ نہ ہوتا جو شک و شبہ میں پھنس جاتا یا مشکلات سے گھبرا جاتا۔

قدرت بعض دفعہ صرف ایک شخص کے ذریعے سے کروڑوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کراتی ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ پاکستان صرف ایک عملی آدمی کے دماغ کا "وہم" تھا اور آج آٹھ کروڑ لوگوں کی روز مرہ زندگی اس شاندار سانچے میں ڈھل رہی ہے۔

کہا گیا ہے کہ پاکستان کی تشکیل ایک معجزے سے کم نہیں، ایسی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو بھول جاتے ہیں کہ حقیقی زندگی خود معجزات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے اور خود دار انسان کے ہاتھوں ہمیشہ غیر معمولی کام سرزد ہوتے ہیں۔ جس قدر ہم مسلمانوں کی حالت "ناگفتہ بہ" معلوم ہوتی تھی اسی قدر حیرت انگیز کامیابی ہمیں اپنے عظیم المرتبت رہنما کی ہمت اور خدا کی بے پایاں عنایت سے نصیب ہوئی۔ اب ہمیں اپنے آپ کو اس خوش قسمتی کے شایان شان ثابت کرنا ہے۔[1]

حضرت قائداعظمؒ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک لیڈر ہونے کے علاوہ ان کی شخصیت میں خدا تعالیٰ نے نفاست کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی' ان کی نفاست پسندی اور عظمت کردار' ان کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے سے عیاں ہوتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ کتنے کامل ترین شخصیت کے مالک تھے' ان کا مزاج اور عادات آئینے کی طرح شفاف تھیں' حسن عابد جعفری صاحب اپنے مضمون بعنوان "قائداعظمؒ" میں یوں رقم طراز ہیں۔

نفاست پسندی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ جسم اور لباس کی صفائی دیکھنے والے تو لاکھو موجود ہیں۔ یہی حسن سلیقہ ان کے گھر کے اندر اور باہر نظر آتا تھا' بلکہ آفس تک میں موجود تھا۔ بمبئی ہائی کورٹ میں ان کا چیمبر (آفس) بہت صاف ستھرا رہتا تھا۔ دروازے اور کھڑکیوں میں صاف پردے' چمکتا ہوا فرنیچر۔ خوشنما جلدوں میں قانون کی کتابیں' صاف میز' بڑا بلاٹنگ پیپر جس پر سیاہی کا ذرا سا بھی دھبہ نہیں' دوات لبالب سیاہی سے بھری ہوئی' قلمدان پر نئی ربنیں لگے ہوئے متعدد قلم سیاہ' سرخ' رنگ کے مشین سے ترشی ہوئی لمبی لمبی نوک کی سات آٹھ پنسلیں' اور فائل میز کے قریب قرینہ سے رکھے ہوتے تھے۔ میں نے ان کی میز پر کبھی منتشر کاغذ نہیں دیکھے' اور کام کے بعد میز ہمیشہ صاف دیکھی' یہی صفائی ملازموں کے لباس میں تھی' میں نے ان کے موٹر صاف کرنے والے اور باغ کے مالی بھی گندے اور میلے نہیں دیکھے' یہ باتیں سلجھے اور صاف دماغ کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔

وہ بہت بڑے منطقی تھے۔ معمولی باتیں بھی استدلال سے خالی نہ ہوتی تھیں' اور بے تکلفی کی گفتگو میں بھی وہ ادائے بیان کے سلیقہ سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ تبادلہ خیال میں اگر بحث کی نوبت آجاتی تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا کہ مزاج میں گرمی آگئی ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ بات نہیں تھی' ان کا دماغ عموماً ٹھنڈا اور متوازن رہتا تھا' لیکن تمام عمر بحث اور تقریریں کرنے کی وجہ سے اکثر ان کا لب و لہجہ وکیلانہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اس

میں تلخی کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔

وہ جتنا پڑھتے تھے اس سے زیادہ سوچتے تھے۔ کچھ روز ساتھ رہنے کے بعد اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ سوچنے میں بھی مختلف واقعات کو چھانٹتے اور ترتیب دیا کرتے تھے' یہ بات میں نے سر شاہ سلیمان صاحب مرحوم میں بھی دیکھی تھی۔

ایک مرتبہ قائداعظمؒ تعلقہ داری کے ایک مقدمہ میں لکھنؤ تشریف لائے اور حسب دستور مہا راجہ صاحب کے مہمان ہو کر بٹلر پیلس میں مقیم تھے۔ چیف کورٹ سے لنچ کے واسطے تھوڑی دیر کے لیے آتے تھے' اس لیے ان کا لنچ تنہا ہوتا تھا۔ پہلے دن داروغہ باورچی خانہ قدیمی دستور کے مطابق قائداعظم کی کرسی کے برابر کھڑا ہو گیا۔ قائداعظمؒ اپنے خیالات میں منہمک تھے۔ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن فوراً ہی چونک کر پوچھا "کام کیا ہے؟" "حضور' کوئی کام نہیں ہے۔"

"پھر کویں کھڑے ہو؟"

"میرا فرض ہے کہ مہا راجہ صاحب کے معزز مہمانوں کے کھانے کے وقت حاضر رہوں۔"

شب کو کھانے پر قائداعظمؒ نے مہاراجہ سے یہ واقعہ ہنس کر بیان کیا اور کہا کہ "اگر آپ کا ایک آفیسر لنچ پر میرے سر پر سوار رہے گا۔ تو تب کچھ سوچ نہ سکوں گا۔ میرے خیالات منتشر ہو جاتے ہیں۔ میں بمبئی کا آدمی ہوں' مہاراجہ نہیں ہو۔" اس وقت متعدد مشاہیر میز پر تھے۔ قائداعظمؒ نے یہ باتیں اردو میں ایسے لب و لہجہ سے کہیں کہ سب ہنس پڑے اور سب سے زیادہ خود قائداعظمؒ ہنسے۔

لیکن اس سلسلے میں یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ جب بمبئی اور دہلی میں راجہ صاحب محمود آباد قائداعظمؒ کے مہمان ہوتے اور ان کا ناشتہ کمرے میں آتا تو قائداعظمؒ کا ملازم راجہ صاحب بہادر کے پاس کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک وہ ناشتہ سے فارغ نہ ہو جاتے اکثر کھڑا رہتا تھا۔

ملازموں کے بارے میں میرا مشاہدہ ہے کہ ان کے ہاں ملازم زیادہ عرصہ تک نہیں رہتے تھے۔ نہ معلوم یہ ان کا اصول تھا' یا کام پسند نہ آتا تھا یا ملازم ہی قاعدوں کی پابندی سے گریز کرتے تھے۔ بہرکیف اکثر نئے ملازم نظر آتے تھے اور موصوف کے سامنے آنے سے گھبراتے تھے۔ حالانکہ وہ اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ گھر میں بھی اونچی آواز سے گفتگو نہیں کرتے تھے اور ملازموں سے نرمی سے بات کرتے تھے اور ایک بات اور تھی۔ وہ نکالے ہوئے نوکر کو مشکل سے دوبارہ ملازم رکھتے تھے۔ ایک شخص کو انہوں نے علیحدہ کر دیا۔ اس نے بہت معقول سفارشیں پہنچائیں مگر فیصلہ بدستور صادر رہا' منسوخ نہ ہوا' میں نہیں کہہ سکتا کہ مرحوم نے سب سے پہلے نماز کب پڑھی۔ مجھے یقین ہے کہ بچپن سے نماز سے واقف تھے اور ضرور پڑھی ہو گی اور بعد میں تو اکثر پابندی سے پڑھتے تھے۔ خود میں نے لکھنؤ میں مہا راجہ صاحب کے ہاں انہیں نماز پڑھتے اور عرثیے سنتے دیکھا ہے۔ خاص لکھنؤی لباس انہوں نے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ مہاراجہ صاحب ہی کی فرمائش سے پہنا تھا۔ تنگ پاجامہ' جامدانی کا انگرکھا اور جارانی کی دو پلوٹوپی' ان کو بہت زیب دیتی تھی اور اس لباس میں ایک مہاراجہ صاحب کے ساتھ فوٹو بھی کھنچا تھا۔"

شہید ملت خان لیاقت علی خان نے اپنی قوم کو جب حضرت قائداعظمؒ وفات فرما گئے پیام استقلال فرماتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا تھا۔ "مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ تاریخ قائداعظمؒ کا شمار دنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں کرے گی۔ دنیا میں کم آدمیوں کو یہ نصیب ہوا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان کام کو ہاتھ میں لیں اور اپنی ہمت عزم اور دانش سے اس کو اپنی زندگی میں ہی پروان چڑھتے دیکھیں' قائداعظمؒ نے نہ صرف پاکستان کا نصب العین مسلمانوں کے سامنے پیش کیا' بلکہ اس کے لیے جدوجہد کر کے دنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کر دی۔ قائداعظمؒ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو دنیا میں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی تمام سیاسی زندگی میں

انہیں ملت اسلامیہ کی بہبودی منظور تھی اور وہ اسی کے لیے کوشاں رہے۔ قائداعظمؒ کی رہنمائی سے پہلے بھی مسلمان اپنی خامیوں سے خوب واقف تھے اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ جس انحطاط کو وہ پہنچ چکے ہیں اس سے نکل کر ترقی کی منزل پر گامزن ہوں۔ لیکن وہ واضح طور پر نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے جتنی جدوجہد اور جو جو قربانیاں کیں وہ بااثر تو ثابت ہوئیں لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ اپنے مقصد کو پالیں۔

قائداعظمؒ نے اپنی جہاں بین اور دور رس نظروں سے دیکھ لیا کہ جب تک قوم کے سامنے منزل مقصود واضح طور پر نہ رکھ دی جائے اور جب تک انہیں ایک مرکز پر اور ایک ہی پرچم کے نیچے جمع نہ کیا جائے کسی چیز کے حصول کی امید بیکار ہے۔

قائداعظمؒ اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لیے کئی خدا داد قوتیں رکھتے تھے، اول تو ان میں ایک ایسا تخیل اور سیاست پر ایک ایسا عبور تھا جو باریک بین ہونے کے باوجود گذشتہ اور آئندہ پر ایک ہی جست میں حاوی ہو جاتا تھا۔ مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینے کے بعد انہیں اچھی طرح سے معلوم ہو گیا تھا کہ ہماری منزل مقصود کونسی ہے اور ہمارا نصب العین کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کو خدا نے ایک ایسا آہنی عزم عطا کیا تھا جو کسی مشکل یا رکاوٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں اور قوم کو آگے لیے چلا جاتا تھا۔ وہ اپنے ارادے پر ایسے مستقل مزاجی سے قائم رہتے تھے جو ہر مسلمان کے دل میں جوش اور نصرت کے جذبات کو ابھارتا تھا۔ ان کی قیادت میں ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ کوئی مشکل ایسی نہیں جس پر ہماری ملت قابو نہ پا سکے گی۔ اس فہم اور سیاست، اس عزم و ارادے کے ساتھ ساتھ قائداعظمؒ میں یہ خوبی بھی تھی کہ وہ دن رات کام کر سکتے تھے اور کوئی فروعی چیز ان کی توجہ مبذول نہیں کر سکتی تھی۔ قائداعظمؒ اولوالعزمی سے آخر دم تک دن رات ملت کے لیے کام کرتے رہے۔ وہ ملت اسلامیہ کے لیے ہمیشہ ایک مثال کا کام دے گی اور ہر فرد کے لیے مشعل ہدایت بنے

گی۔

قائداعظمؒ کی ذات کے یہی کمالات تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ میں ایک نئے روح پھونک دی، اور ہر مرد عورت اور بچے کے دل میں پاکستان کے حصول کے لیے ایک گہرا جوش پیدا کر دیا۔ اس جوش سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے ایسی قربانیاں کیں جن کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے اور پاکستان کو حاصل کیا۔۳

میاں بشیر احمد مرحوم نے حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں صحیح فرمایا تھا۔

ملت کا پاسبان ہے محمد علی جناحؒ ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناحؒ
صد شکر پھر ہے گرم سفر اپنا کارواں اور میر کارواں ہے محمد علی جناحؒ

بیدار مغز، ناظم اسلامیان ہند ہے کون؟ بے گماں ہے محمد علی جناحؒ
تصویر عزم، جان وفا، روح حیرت ہے کون؟ بے گماں ہے محمد علی جناحؒ

رکھتا ہے دل میں تاب و تواں نو کروڑ کی کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناحؒ
رگ رگ میں اس کی ولولہ ہے حب قوم کا پیری میں لب جواں ہے محمد علی جناحؒ

لگتا ہے ٹھیک جا کے نشانے پہ جس کا تیر ایسی کڑی کماں ہے محمد علی جناحؒ
ملت ہوئی ہے زندہ پھر اس کی پکار سے تقریر کی اذاں ہے محمد علی جناحؒ

غیروں کے دل بھی سینے کے اندر دہل گئے مظلوم کی فغاں ہے محمد علی جناحؒ
اے قوم! اپنی قائداعظمؒ کی قدر کر اسلام کا نشاں ہے محمد علی جناحؒ

عمر دراز پائے مسلمان کی ہے دعا
ملت کا ترجماں ہے محمد علی جناحؒ

# حوالہ جات

۱۔ مضمون "اسلامی دنیا کے دو راہنما" تحریر: میاں بشیر احمد، رسالہ ماہ نو۔ قائداعظمؒ نمبر، دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ نمبر ۲۰

۲۔ مضمون، "قائداعظمؒ" تحری حسن عابد جعفری، رسالہ ماہ نو۔ قائداعظمؒ نمبر، دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ نمبر ۲۷-۲۶

۳۔ رسالہ ماہ نو، کراچی۔ قائداعظمؒ نمبر، ۱۹۴۸ء، صفحہ نمبر ۹

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اور پبلشر



پروفیسر محمد مظفر مرزا ایسوسی ایٹ پروفیسر آف پولیٹیکل سائنس گورنمنٹ کالج لاہور، محکمہ تعلیم میں عرصہ ۳۰ سال سے اپنے فرائض محنت، دیانت داری اور لگن سے ادا کر رہے ہیں۔ پروفیسر محمد مظفر مرزا نے محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کے تحت کئی کالجوں میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ انہوں نے حکومت پنجاب کے محکمہ تعلیم اور محکمہ اطلاعات و ثقافت میں بھی بطور انڈر سیکرٹری کئی سال اپنے فرائض ادا کیے حکومت پنجاب کی طرف سے قائم شدہ شعبہ تحریکِ پاکستان میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے منسلک رہے اور کئی کتب تالیف کیں جن میں وہ ڈائریکٹری بھی شامل ہے جس میں کارکنان تحریکِ پاکستان کے کوائف شامل ہیں جو ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے ... یہ قومی اہمیت کا کام قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ تکمیل پذیر ہوا۔

پروفیسر محمد مظفر مرزا نے اپنی قومی زبان اردو اور انگریزی میں تحریکِ پاکستان، حضرت قائداعظمؒ، مطالعہ پاکستان، مسلم پولیٹیکل تھاٹ اور بین الاقوامی قانون پر تقریباً ۳۰ کتب تحریر کی ہیں جو ریسرچ کی دنیا میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں ان کے مطالعہ سے پاکستانی قوم کے قلوب و اذہان میں نظریہ پاکستان، قیام پاکستان، حضرت قائداعظمؒ کے نظریات و تصورات کی روشنی میں ایک شاندار پاکستان کی تعمیر و تشکیل ممکن ہو سکتی ہے ..... اس میدان میں پروفیسر محمد مظفر مرزا کی مزید کاوشیں جاری ہیں۔

علاوہ ازیں ان کے تحریکِ پاکستان، نظریہ پاکستان، حضرت قائداعظمؒ اور استحکام پاکستان کے موضوعات پر اہم ترین مضامین قومی اخبارات، رسائل اور جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔


فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

969 0 01254 1

Rs. 250.00

لاہور - راولپنڈی - کراچی